اے بی سی آڈٹ بیورو آف سرکولیشن کی مصدقہ اشاعت

ماہنامہ

الحق

اکوڑہ خٹک

جلد ۲۵ — ذیقعدہ ۱۴۱۰ھ

شمارہ ۹ — جون ۱۹۹۰ء

بیاد: حضرت مولانا عبدالحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ

مدیر معاون: عبدالقیوم حقانی

مدیر: حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ العالی

ناظم: شفیق فاروقی

فون نمبر ڈائریکٹ ڈائلنگ سسٹم ۳۴۰ / ۳۴۱ / ۴۳۵ کوڈ نمبر ۰۵۲۲۱۷

اس شمارے کے مضامین

پاکستان میں سالانہ -/۵۰ روپے فی پرچہ -/۵ روپے بیرون ملک بحری ڈاک -/۸ پونڈ بیرون ملک ہوائی ڈاک -/۱۲ پونڈ

سمیع الحق استاذ دارالعلوم حقانیہ نے منظور عام پریس پشاور سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ "الحق" دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے شائع کیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نقشِ آغاز

سینٹ میں شریعت بل کی منظوری

کے بعد

ارکان قومی اسمبلی کی نازک ذمہ داری
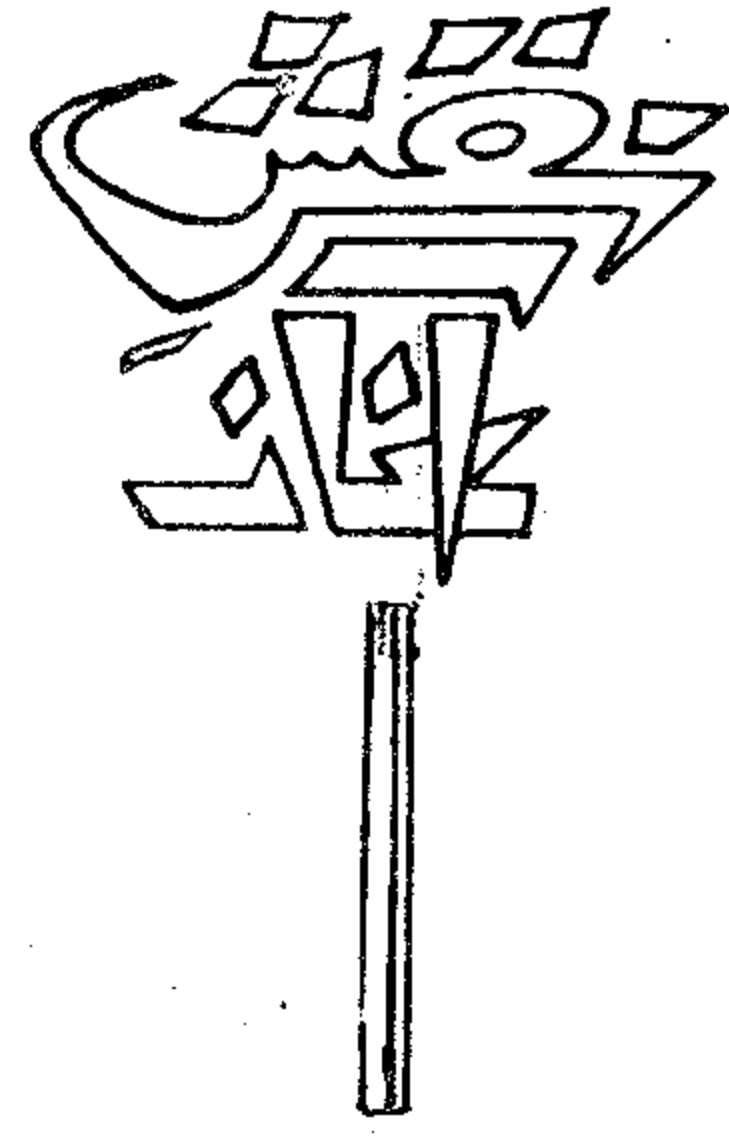
سینٹ آف پاکستان نے بالآخر ۱۳ مئی ۱۹۹۰ء کو مولانا سمیع الحق مدظلہ اور مولانا قاضی عبداللطیف مدظلہ کے پیش کردہ پرائیویٹ شریعت بل کو کم و بیش پانچ سال کی طویل ترین مدت اور ہمہ پہلو بحث و تمحیص کے بعد متفقہ طور پر منظور کر لیا ہے۔ یہ خالص خدا تعالیٰ کا فضل و کرم اور صرف اسی ہی کی مہربانی تھی کہ امت کے مشائخ و صالحین کی بارگاہِ ربوبیت میں آہ و زاری اور دعائے مستجابہ، دینی و سیاسی جماعتوں، مختلف مکاتبِ فکر کے علماء کرام، ارکان سینٹ اور عامۃ المسلمین کا بھرپور اور مخلصانہ تعاون شامل ہوا۔ بالآخر متعدد کمیٹیوں استصواب رائے، نظریاتی کونسل اور سینٹ کے ہمہ پہلو ممکنہ بحث و تنقید کے مراحل، پانچ سالہ صبر آزما جد و جہد اور رات دن تھک مساعی کے بعد محرکین شریعت بل ہزار مخالفتوں، بے پناہ رکاوٹوں، اپنوں اور پرایوں کے ملامتوں، معترضین کے لعن طعن، سیاسی فضا کی ناہمواریوں کے باوصف تدبر و سیاست کامیاب حکمتِ عملی سے دعوت و عزیمت کی شاہراہ پر چل کر ۱۳ جون ۱۹۸۵ء کو سینٹ کے پہلے اجلاس میں اپنے پیش کردہ پرائیویٹ شریعت بل کو ۱۳ مئی ۱۹۹۰ء میں متفقہ طور پر منظور کرانے میں کامیاب ہو گئے۔ والحمد للہ علیٰ ذالک

تحریک آزادی اور تحریک پاکستان میں علماء دیوبند کا بنیادی کردار، ۱۹۴۹ء کی دستور ساز اسمبلی میں مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کی قرارداد مقاصد، ۱۹۷۳ء کے دستور میں مولانا مفتی محمودؒ۔ مولانا غلام غوث ہزارویؒ اور مولانا عبدالحقؒ کا ملک کے اساسی نظریات کے آئینی تحفظ میں کامیاب مساعی، ۱۹۷۴ء کی تحریک ختم نبوت میں مولانا محمد یوسف بنوریؒ کا پارلیمنٹ سے باہر مجلس عمل کی بھرپور قیادت، مولانا مفتی محمودؒ اور مولانا عبدالحقؒ کا پارلیمنٹ کے اندر مرزائیت کی تکفیر کا پارلیمانی اور تاریخی کارنامہ، ۱۹۷۷ء کی تحریک نظام مصطفےٰ میں مولانا مفتی محمودؒ کی مؤثر راہ نمائی اور ۱۹۸۵ء کے جمہوری اداروں میں برصغیر کی پارلیمانی تاریخ میں پہلی مرتبہ سمیع الحق اور مولانا قاضی عبداللطیف کا ایوانِ بالا سینٹ میں شریعت بل کے نام سے جامع اسلامی مسودہ قانون پیش کرنا، پھر متحدہ شریعت محاذ کی تشکیل اور شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ کی تحریک نفاذ شریعت اور

کی سرپرستی وقیادت، ڈیڑھ سال قبل کے سیاہ ترین انقلاب کے موقع پر متحدہ علماء کونسل کی تشکیل اور مولانا سمیع الحق کا مؤثر کردار اور اب مئی ۱۹۹۰ء میں برصغیر کی پارلیمانی تاریخ میں پہلی مرتبہ ایک پرائیویٹ جامع مسودہ قانونِ شریعت (شریعت بل) کا سینٹ سے متفقہ طور پر نفاذِ شریعت ایکٹ ۱۹۹۰ء کے نام سے منظور کرانا، علماءِ حق کے کردار اور تاریخ دعوت وعزیمت کی ایسی لازوال کڑیاں ہیں جو باہمی طور پر ایک دوسرے سے متوارث، مربوط اور مرحلہ وار پیش رفت کا ارتقاء اور تاریخ کا ایسا روشن باب ہے جسے ملک کے اجتماعی نظام میں اسلامی تعلیمات کے مطابق انقلابی عملی تبدیلیوں کا مؤثر اور کامیاب ترین نکتہ آغاز قرار دیا جا سکتا ہے۔

★

شریعت بل کیا منظور ہوا؟ کہ پورے ملک میں حمیت ایمانی، غیرت اسلامی اور دینی درد سے سرشار مسلمانوں میں فرحت وانبساط اور جوشِ مسرت کی لہر دوڑ گئی پورے ملکی سطح پر چھوٹے بڑے شہروں اور عالم اسلام کے مختلف مراکز میں اجتماعات منعقد ہوئے اور اگلے مرحلے میں قومی اسمبلی سے اس کو منظور کرانے کی دعاؤں کے ساتھ ساتھ بھرپور عملی اقدام کے عزائم کئے گئے۔ بیداری کی یہ لہر اور نفاذِ شریعت کے بلند ترین عزائم کے یہ انقلاب آفرین نتائج، دراصل شریعت بل کے نفاذ، غلبۂ حق کی کوشش، لوائے حق کی پاسداری اور اس کی روح پرور آواز ہے جس نے اندرونِ ملک سمیت پوری اسلامی دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے۔ پاکستان کی سرزمین اس آوازِ حق سے گونج رہی ہے۔ باطل کے در و دیوار لرز گئے جعلی اسلام پسندی، کھوکھلے نعرے اور منافقانہ پالیسیوں کا پردہ چاک ہونے لگا یہ درست موقف، حق پر استقامت، خالص اسلامی سیاست اتحاد و یگانگت، خلوص و دیانت، مقصد سے لگن اور جذبۂ انقلاب اسلامی کا ادنیٰ کرشمہ ہے کہ سینٹ میں مولانا سمیع الحق اور ان کے رفقاء کی بھرپور مساعی سے کم من فئۃٍ قلیلۃ غلبت فئۃً کثیرۃً باذن اللہ کا واقعاتی ثبوت اور عملی صداقت ایک بار پھر پوری دنیا پر واضح ہو کر سامنے آگئی۔ مگر یاد رہے کہ یہ نہ منزل ہے اور نہ قوم اس سے پہلے مقصود تک پہنچ سکتی ہے ؏

کہ ابھی عشق کے امتحان اور بھی ہیں

شریعت بل ملک کے ہر ہر فرد اور بچے بچے کی جان و دل بن چکا ہے ــــ مگر کچھ ازلی بدنصیب ایسے بھی ہیں جن کا دل روشنیٔ ایمان سے محروم، جن کا باطن اسلام کی خاطر مر مٹنے کے جذبات سے عاری جو آنکھوں کے نہیں دل کے اندھے ہیں جن کا منتہائے مقصود لیلائے اقتدار ہے جن کا مقام استخوانِ اقتدار میں دُم بریدہ سگانِ دنیا سے کم نہیں وہ اسے اب بھی تنگ نظری اور فرقہ واریت پر محمول کرتے ہیں۔ حکمرانوں سمیت تمام تر باطل طاقتیں

ایک قوت بن کر شریعت بل کے دفعات وجزئیات، اسلامی احکام سے کھلی بغاوت، اسلامی قوانین اور مذہبی شعائر کا کھلم کھلا مذاق اڑانے کے منصوبے بنا کر میدان میں اتر آئے ہیں۔ یہ غیر ملکی ایجنٹ اور استعماری طاقتوں کے آلۂ کار ہیں۔ جو ملک کو ایک بار پھر ایک روح فرسا، بدترین انقلاب اور طوفان بلاخیز سے دوچار کرنے کا عزم کر چکے ہیں۔ ایسوں کے خرمن دجل وتلبیس پر شریعت بل کی منظوری صاعقہ بن کر گری۔ اور اب ان کی سازشوں کا چکر تیز تر اور گہرا ہوتا جا رہا ہے۔ وہ نویں ترمیمی بل اور ضیاء الحق مرحوم کے شریعت آرڈی ننس کی طرح شریعت بل کو بھی ڈائنامیٹ کر دینا چاہتے ہیں ——— مگر یہ کام اتنا آسان نہیں شریعت بل وقت کی ضرورت، قوم اور ملک کی تقدیر، اسلامیانِ ملک کے دلوں کی دھڑکن اور جمہور مسلمانوں کی دیرینہ آرزو کی تکمیل کی عملی تعبیر بن چکا ہے۔ حکمران ہمیشہ سے نفاذِ شریعت کے مژدے ہی سناتے رہے۔ علماء حق کے مساعی سے مسلسل پانچ سال سے شریعت بل کے عنوان سے نفاذِ شریعت کی جو پارلیمانی اور آئینی طور پر مساعی کامیابی کا پیش رفت کے طور پر آگے بڑھ رہی ہیں عملاً اس کی بھی درگت بنائی جاتی رہی ——— جمہوریت آئی تو نئے وعدے اور دعوے ہمراہ لائی مگر اسلامائیزیشن کے اقدامات، اندرون خانہ نظام شریعت بالخصوص شریعت بل کو تباہ کر دینے کے عزائم کھل کر سامنے آتے رہے اور اب سینیٹ میں اس کی منظوری کے بعد تو بس سب کچھ چھلک پڑا۔ حکمرانوں کے عزائم، کردار اور اندرون باطن ان کے مذموم ارادے پوری دنیا کے سامنے طشت از بام ہو گئے۔ حکومتی کردار اب صرف یہی رہ گیا ہے کہ شریعت بل کا راستہ روکا جائے۔ اور ان مذموم عزائم کی تکمیل کے لئے ان کے پاس دین کے مسلمات سے تلاعب، تمسخر اور اسلامی قوانین وتعلیمات کو مشق ستم بنانے کے سوا کچھ نہیں رہا۔ مگر یاد رہے کہ حکمرانوں کے اس طرزِ عمل سے مسلمانوں کی مزید دل شکنی، نظریہ پاکستان سے انحراف باہمی تفریق وانتشار ملکی سالمیت کے نقصان اور سوائے ضیاع سرمایہ اور وقت اور پوری امت سے حصولِ ملامت ولعنت کے اور کچھ حاصل نہیں ہوگا۔

★

شریعت بل کی منظوری کا اگلا مرحلہ قومی ملکی اور ملی اعتبار سے بے حد نازک اور حساس مرحلہ ہے اور دیانۃً ہم سمجھتے ہیں کہ یہ موقع بھی ارکان پارلیمنٹ سمیت حکومت اور ارباب اقتدار کو اپنا محاسبہ کرنے اور نفاذِ شریعت کے بارے میں اپنا رویہ اور پالیسی بدلنے کی ایک مہلت ہے۔ سینیٹ میں شریعت بل کی منظوری سے پورے ملک اور تمام عالم اسلام میں جس قدر زور وشور اور جذبہ وایثار سے اجتماعات منعقد ہوئے اور جس طرح ناقابلِ تسخیر عزائم کا اظہار کیا گیا معلوم ہوتا ہے کہ آسمانی فیصلے بدلنے والے ہیں انشاء اللہ وہ وقت قریب آنے والا ہے کہ اسلامی اقدار کی توہین، شرعی قوانین کی تحقیر، قرآنی حدود اور سزاؤں کو شب وروز وحشیانہ قرار دینے

کی مالا جپتے رہنے کے بجائے شریعت بل کو منظور اور نافذ کرنا ہوگا ۔ یا پھر اپنے پیش رؤں کی طرح ایک داستانِ عبرت، ایک بدترین انجام ذلت اور رسوائی کی موت مرنا ہوگا ۔

پوری قوم جانتی ہے کہ شریعت بل کا مسئلہ صرف محرکین شریعت بل جمعیۃ علماء اسلام، ارکان سینٹ اور صرف برصغیر کا نہیں بلکہ اب یہ مسئلہ روئے زمین پر بسنے والے محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر نام لیوا امتی اور دربار رسالت کی چوکھٹ سے تعلق رکھنے والے ہر ادنیٰ سے ادنیٰ کارکن کا ہے ۔ اگلے مرحلے میں جب کہ شریعت بل قومی اسمبلی میں جانے والا ہے اگر اس موقع پر کسی بھی پارٹی، سیاسی گروہ یا ارکان اسمبلی نے اللہ کے دین اور اس کی شریعت کے مقابلہ میں سدِّ راہ بننے کی مذموم کوشش کی تو قوم کبھی انہیں معاف نہیں کرے گی ۔ اگر خدانخواستہ ارکان اسمبلی نے اس موقع پر بھی فہم و تدبر، تجربات ماضی کا شعور، عاقبت اندیشی اور ملی و سیاسی سمجھ بوجھ سے کام نہ لیا اور اب کے بار بھی محض مخالفت اور عداوت، مجرمانہ سکوت اور غفلت کا ارتکاب کیا تو خطرہ ہے کہ سرخ انقلاب اور باطل نظریات کا سیلاب ملت کی طوفان رسیدہ اور ہچکولے کھاتی ہوئی کشتی کو لے نہ ڈوبے اور خدا نہ کرے کہ ملکی سالمیت اور ملی وحدت کا سفینہ ساحل مراد پر پہنچنے سے قبل سیلاب کی نذر ہو جائے ۔ ولا فعلھا اللہ ۔

★

ایسے حالات میں کشتیٔ ملت کو منجدھار اور متلاطم خیز طوفان سے نکالنے اور سالمیت و عافیت سے ساحل مراد تک پہنچانے کا ایک اور صرف ایک ہی راستہ ہے اور وہ نظام شریعت کا مکمل نفاذ ــــــ جس کا آخری اور سخت جان مرحلہ ہر اسپ سینیٹ شریعت بل کا قومی اسمبلی سے منظور کرانا اور صدر کی توثیق کے بعد اس کا مکمل عملی نفاذ ہے ۔ جو ملکی سالمیت، بقا و تحفظ، ترقی و استحکام، معاشی عدل و انصاف، قوم کی فکری رہنمائی و ہم آہنگی، قانون کی نظر میں حکمران اور عوام کی برابری، اتحاد امت اور وحدت ملت کا ضامن ہے ۔ لہٰذا قوم و ملت کے ہر ذی شعور فرد، دینی جماعتوں کی قیادت، سیاسی جماعتوں کے زعماء اور ملک میں اسلامی انقلاب کے بھی خواہوں کے لئے تحریک نفاذِ شریعت کے محفوظ اور مضبوط پلیٹ فارم پر جمع اور متحد ہونے کا یہ بہترین اور سنہری موقع ہے ہم اس موقع پر پوری قوم کی دینی و سیاسی اور سنجیدہ قیادت سے بھرپور اپیل کے ساتھ یہ توقع رکھتے ہیں کہ وہ اسی ایک راستہ اور مقدس مشن اور مشترکہ پلیٹ فارم پر قوم کے تمام طبقات کو متحد اور منظم کر کے دجل و تلبیس کے سارے نشانات ایک ایک کر کے مٹا دیں گے ۔ ملک میں میکیاولی سیاست اور دجالی کفر کو جب تک پوری طرح ٹھکانے نہیں لگا دیا جائے گا پوری امت اپنے محبوب پیغمبرؐ کے سامنے سرخرو نہیں ہو سکے گی ۔

اب کے بار پوری قوم کو اسلام کے شجرۂ طوبیٰ کے سایۂ عاطفت اور قصر شریعت کی پناہ میں رہنے کا قطعی قطعی فیصلہ کرنا ہوگا ۔ وہ اپنے تمام اغراض و مصالح سے بے نیاز ہو کر اس کی ہر دیوار اور بنیاد کو اعدائے اسلام

سے بچانے کو اپنی مساعی کے اہداف اور اسے اپنا فرضِ منصبی سمجھے گی۔ تو جو طاقتیں اور باطل قوتیں نفاذِ شریعت بل کی راہ میں رکاوٹ پیدا کرنے یا اس میں تحریف کرنے کی نامسعود سعی کریں گے انہیں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے نیست و نابود، تاراج اور مفلوج کر دیا جائے گا۔

بہر حال شریعت بل کی منظوری کا اب کا مرحلہ بھی بڑا حساس اور ذمہ داری کا مرحلہ ہے لہٰذا جمیعت اسلامی اور غیرت دینی سے سرشار مسلمانوں کو یہ یقین کر لینا چاہیئے کہ یہ وقت باہمی اختلافات، گروہی تعصب، فرقہ بندی کریڈٹ لینے اور جمل و صفین کا نہیں بلکہ وحدت و اتحاد، مضبوط سیاسی قوت، بیدار مغزی، حزم و احتیاط عزم جہاد اسلامی انقلاب اور عملی اقدام کے اعتبار سے بدر و حنین کا وقت ہے۔ وہ دیکھئے؛ خلفائے راشدین ائمہ متبوعین، سلف صالحین کے ارواح بلکہ خود گنبد خضرا کے مکین حضرت محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم تمہارا رہ تک رہے ہیں کوئی شاہین ہے؟ جو نفاذ شریعت، نظام خلافت راشدہ، ناموس رسالت، ناموس صحابہؓ اور عظمت اسلام کے پرچم تلے امت کی وحدت کا داعی بن کر آگے بڑھے۔ اور ملکی تاریخ کے اس نازک اور حساس ترین مرحلہ میں اپنے بھرپور کردار سے پوری قوم یعنی امتیان محمدؐ کو جب روزِ محشر حضورؐ کا سامنا ہو تو سب کو سرخرو کر دے ؎

گوئے توفیق و سعادت درمیاں افگندہ اند
کس بمیداں در نمے آید سواراں راچہ شد

مولانا صدر الشہیدؒ مولانا محمد شریف کشمیریؒ اور دیگر علماء کرام کا سانحہ ارتحال

گذشتہ ماہ جمعیۃ علماء اسلام کے مشہور رہنما، مدرسہ معراج العلوم بنوں کے مہتمم اور شیخ الحدیث سابق ایم این اے حضرت مولانا صدر الشہیدؒ بھی طویل علالت کے بعد اس دارِ فانی سے انتقال کر گئے انا للہ و انا الیہ راجعون۔

مرحوم جید عالم دین حق گو اور بیباک راہ نما، کامیاب مدرس اور اسلام کے عظیم سپوت تھے۔ بھٹو دور میں اسمبلی میں ان کی استقامت اور مجاہدانہ کردار، مولانا مفتی محمودؒ اور مولانا عبدالحقؒ کی رفاقت اور گذشتہ دس گیارہ سال میں ان کا سیاسی موقف اکابر علماء سے وابستگی اور پختگی ان کی ذاتی کردار کی بلندی اور شخصیت کی عظمت کی واضح دلیل ہے۔ مرحوم کا سانحہ ارتحال نہ صرف ان کی نسبی اور روحانی اولاد ان کے متعلقین و احباب جمعیۃ علماء اسلام بلکہ پوری ملت کے لئے ایک عظیم نقصان ہے جس کی تلافی برسوں ناممکن ہے۔ ادارہ مرحوم کے لائق فرزندوں اور پسماندگان کے ساتھ غم و حزن میں برابر کا شریک بلکہ خود تعزیت کا مستحق ہے باری تعالیٰ

مرحوم کو کروٹ کروٹ اپنی رحمتوں سے نوازے۔

ابھی مولانا صدر الشہیدؒ کے صدمہ رحلت سے زخم مندمل نہیں ہوئے تھے کہ جامعہ خیر المدارس کے شیخ الحدیث بقیۃ السلف حضرت مولانا محمد شریف کشمیریؒ بھی داغ مفارقت دے گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مرحوم کا علمی اور تدریسی حلقہ بہت وسیع اور ان کی علمی ثقاہت پورے ملک میں معتمد رہی۔ مرحوم کا سانحہ صرف جامعہ خیر المدارس یا حلقہ تلامذہ تک محدود نہیں۔ بلکہ ایک علمی دنیا کے لئے بہت بڑا اور عظیم سانحہ ہے۔ مرحوم کے ہزاروں تلامذہ اور مستفیدین ایک عظیم صدقہ جاریہ ہیں۔ ہم جامعہ خیر المدارس کے ارباب اہتمام اساتذہ اور جملہ متعلقین کے ساتھ غم میں برابر کے شریک اور ان کی طرح خود کو بھی تعزیت کا مستحق سمجھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو شآبیب رحمت سے نوازے۔ اور اپنی رحمت کے شایان معاملہ فرماوے۔

★ اسی طرح دارالعلوم کبیر والا کے استاذ حضرت مولانا ظہور الحق صاحبؒ کا بھی اسی ماہ عازم آخرت ہونا علمی حلقوں کے لئے عظیم خسران ہے۔

★ دارالعلوم اضاخیل کے مہتمم اور دارالعلوم حقانیہ کے فضلاء حضرت مولانا رحیم اللہ باچا صاحب۔ حضرت مولانا ثناء اللہ باچا صاحب کے والد گرامی جناب عبدالودود بابا صاحب بھی طویل علالت کے بعد رحلت فرما گئے۔ نماز جنازہ میں علاقہ بھر کے علماء و مشائخ کے علاوہ دارالعلوم حقانیہ کے اساتذہ اور طلبہ نے بھی شرکت کی۔

★ دارالعلوم تعلیم الاسلام درابن کلاں ڈی آئی خان کے مہتمم حضرت مولانا قاضی محمد خادم صاحب بھی کچھ عرصہ علیل رہ کر اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ مرحوم جید عالم دین اور علاقہ بھر کی محبوب شخصیت تھے۔ دارالعلوم میں تمام حضرات کے سانحہ ارتحال پر ایصال ثواب اور دعائے مغفرت کا اہتمام کیا جاتا رہا۔

ایسے بزرگوں کا یکے بعد دیگرے رخصت ہونا علمی دنیا کے لئے بہت بڑا نقصان ہے باری تعالیٰ مرحومین کو اپنی رحمتوں سے نوازے اور پسماندگان کو صبر جمیل اور ان کے مشن کی تکمیل کی توفیق ارزانی فرماوے۔ آمین

(عبدالقیوم حقانی)

آل پارٹیز شریعت کنونشن

مولانا سمیع الحق

مشاہیر علماء اور مذہبی و سیاسی زعماء کے نام فکر انگیز مکتوب

بگرامی خدمت .... زید لطفکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ مزاج گرامی!

گذارش ہے کہ اسلامی جمہوریہ پاکستان کا قیام اسلام کے عادلانہ نظام کے نفاذ کے لئے عمل میں لایا گیا تھا لیکن دستوری طور پر ایسے ہو جانے کے باوجود ملک میں نوآبادیاتی دور کی یادگار انگریزی عدالتی نظام و قوانین کی تبدیلی اور اسلامی قوانین کے نفاذ کی طرف کوئی مثبت پیش رفت نہیں ہوئی اور ملک کا عدالتی، انتظامی، معاشی اور معاشرتی ڈھانچہ جوں کا توں ہے۔

اس مقصد کے لئے سینیٹ آف پاکستان میں ایک جامع "شریعت بل" پیش کیا گیا تھا جسے پانچ سال کی طویل بحث و تمحیص کے بعد سینیٹ نے منظور کر لیا۔ اور حتی الوسع تمام طبقات کے اکابر علماء اور دانشوروں کے ساتھ طویل اور وسیع مشاورت بھی ہوتی رہی۔ اور اس بل میں زور بنیادی اتفاقات پر دیا گیا جس کے نتیجہ میں اس بل کو قریب قریب اجماع کی صورت حاصل ہوگئی۔ پھر بھی کسی نئی تجویز یا اختلاف رائے کا بعد میں پارلیمنٹ یا سینیٹ سے تدارک کرایا جا سکتا ہے۔ یہ بل اب کسی فرد یا جماعت کا نہیں پوری امت مسلمہ اور اسلام کی سربلندی چاہنے والوں کا مشترکہ اثاثہ بن چکا ہے۔ مگر اس بل کا ایکٹ بننے کے لئے قطرے کو گوہر بننے سے زیادہ دشوار گذار راہوں سے گذرنا ہے۔ مشکلات واضح طور پر سامنے آچکے ہیں۔ اور شریعت یا اسلام سے کھلم کھلا بغاوت کرنے والی قوتیں منظم ہو کر اس پر یلغار کرنے کا سوچ رہی ہیں۔ اب اسے تین ماہ کے اندر قومی اسمبلی میں منظوری کے مراحل سے گذرنا ہے۔ جب کہ مشکلات کے واضح اشارے ہو چکے ہیں وقت نہایت محدود ہے اور ہر سطح پر متفقہ لائحہ عمل اور طریق کار طے کرنا وقت کی اولین ضرورت ہے۔

علاوہ ازیں گذشتہ حکومت کے دور میں وفاقی شرعی عدالت کا قیام عمل میں لایا گیا تھا اور وفاقی شرعی عدالت کو اختیار دیا گیا تھا کہ وہ خود یا کسی شہری کی درخواست پر ملک میں رائج کسی بھی قانون کا جائزہ لے کر اس کے شرعی یا غیر شرعی ہونے کا فیصلہ دے سکتی ہے لیکن بعض قوانین اس کے دائرہ اختیار سے مستثنیٰ کر دیئے گئے تھے بالخصوص تمام مالیاتی قوانین کو آئینی طور پر وفاقی شرعی عدالت کے دائرہ اختیار سے دس سال کے لئے مستثنیٰ رکھا گیا تھا۔ دس سال کی یہ مدت اگلے ماہ کے دوران ختم ہو رہی ہے اور اس کے بعد ملک کے ہر شہری کو یہ حق حاصل ہو جائے گا کہ وہ سود اور دیگر غیر اسلامی مالیاتی قوانین کو وفاقی شرعی عدالت میں چیلنج کر سکے۔ لیکن وفاقی حکومت آئین میں ترمیم کر کے اس مدت کو مزید دس سال کے لئے بڑھانا چاہتی ہے۔

قومی اسمبلی سے "شریعت بل" کی منظوری اور مالیاتی قوانین کو وفاقی شرعی عدالت کے دائرہ اختیار میں لانے کے مسئلہ میں حکومت کا رویہ منفی ہے اور ان دونوں اہم امور کے بارے میں اس امر کی شدت سے ضرورت محسوس کی جا رہی ہے کہ تمام مکاتب فکر کے علماء کرام اور ملک کی دینی و سیاسی قوتیں مشترکہ طور پر لائحہ عمل طے کر کے حکومت کو شریعت بل کو سرد خانہ میں ڈالنے اور وفاقی شرعی عدالت کے دائرہ اختیار کے بارے میں آئینی ترمیم منظور کرانے سے باز رکھنے کی جدوجہد کریں۔ دونوں امور انتہائی اہم ہیں اور ملک کے دینی و سیاسی حلقوں کی فوری اور سنجیدہ توجہ کے متقاضی ہیں۔ اس سلسلہ میں **۱۷ جون ۹۰ء بروز اتوار ۱۰ بجے صبح - صدر راولپنڈی** کل جماعتی شریعت کنونشن کا اہتمام کیا جا رہا ہے تاکہ باہمی مشاورت کے ساتھ مشترکہ لائحہ عمل کا تعین کیا جا سکے۔

آنجناب سے گذارش ہے کہ کنونشن میں شریک ہو کر اپنی گراں قدر تجاویز اور مشاورت کے ساتھ ہماری رہنمائی فرمائیں۔ امید ہے کہ آپ ضرور کرم فرمائیں گے۔

اب اس اہم موڑ پر ناچیز کو اپنا ایک ادنیٰ خادم اور دین محمدی کا ایک ادنیٰ سپاہی سمجھتے ہوئے آگے بڑھیں اور شریعت مطہرہ کا علم ہاتھ میں لے کر ہم سب کی راہنمائی و قیادت فرماویں۔ تاکہ ہم سب اللہ تعالیٰ اور آقائے دو جہاں محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارگاہ میں سرخرو ہو سکیں۔ اگر یہ موقع خدانخواستہ ہم نے گنوا دیا تو شاید پھر صدیوں تک اس کی تلافی نہ کر سکیں۔

دعوت کو شرف قبول بخشنے کی اطلاع کا شدت سے منتظر ہوں۔ والسلام

(مولانا) سمیع الحق سیکریٹری جنرل جمعیۃ علماء اسلام پاکستان (محرک شریعت بل)

مولانا عبدالقیوم حقانی

مناسکِ حج

عبدیت کا معراج اور عشق کا منتہا

جوں جوں ایامِ حج قریب آرہے ہیں۔ دیارِ حرم اور کوچۂ محبوب کے مسافر حجاجِ کرام وہاں کے فیوض و برکات اور انوار اور تجلیات سے استفادہ کے عزائم، ملاقات اور وصال کے تخیلات، کوئے یار کے گرد و غبار اور روحانی انوار کے حصول میں بے چین اور بے قرار ہو رہے ہیں ؎

وعدۂ وصل چون شود نزدیک
آتشِ شوق تیز تر گردد

ہجوم عاشقاں | یہ محبانِ صادق اور والہین مخلصین اپنے آغاز سفر سے ہی سارے تعلقات منقطع کر کے دنیا کے سارے معاملات طے اور حسابات بیباک کر کے اپنے سب عزیز و اقارب اور احباب و گھر بار سے منہ موڑ کر کوچۂ محبوب کی طرف جانے والے ہیں۔ پھر وہاں کوئی پھولوں کا سیج نہیں۔ حسن و جمال اور آرائش و زیبائش کی دنیا نہیں وہاں بھی تو جنگلوں اور گلی کوچوں میں مارے مارے پھرنا ہے کہ یہی دو چیزیں عاشقوں کا کام ہیں ؎

چمن سے مجھے شوقِ صحرا ہوا
نئے رنگ سے مجھ کو سودا ہوا

یہ ساری وحشت سامانیاں و اشتیاق کیوں ہے؟ یہ اضطراب و بے چینی اور یہ انتظار و بے قراری آخر کیوں مسلط ہو گئی؟ اس لئے کہ درِ محبوب پر عشاق کے اجتماع کا ایک وقت مقرر ہے اور وہ قریب آگیا ؎

اجازت ہو تو آکر میں بھی شامل ان میں ہو جاؤں
سنا ہے کل تیرے در پر ہجوم عاشقاں ہوگا

احرام عاشقانہ رنگ کا پورا مظہر | یہ محب صادق اور عاشقِ زار اپنے روزمرہ کے اور عام عادی لباس میں حاضر نہیں ہوتا بلکہ ایسے فقیرانہ لباس میں حاضر ہوتا ہے جو مُردوں کے کفن سے مشابہت رکھتا ہے

اور آخرت میں میدان حشر کی یاد دلاتا ہے۔ گویا احرام عاشقانہ رنگ کا پورا مظہر ہوتا ہے۔ فقیرانہ صورت نہ خوشبو نہ زینت ایک بھونڈا ہیئت جو کرب و بے چینی اور اشتیاق و محبت کے کمال کو ظاہر کرتی ہے ؎

خوشی سے اپنی رسوائی گوارا ہو نہیں سکتی
گریباں پھاڑتا ہے تنگ جب دیوانہ آتا ہے

بے چارگی اور شکستگی | محبوب حقیقی کا جلوہ جہاں آرا ہے اسی کا حکم ہے کہ کرتہ، پاجامہ، صدری، شیروانی کوٹ پتلون کچھ بھی نہ ہو بس ایک تہبند باندھ لیا جائے اور ایک چادر جسم کے اوپر کے حصے پر ڈال دی جائے سر بھی کھلا ہو۔ پاؤں میں موزہ بلکہ ایسا جوتا بھی نہ ہو جس سے پاؤں پورا ڈھک جائے۔ یہ اور اس قسم کی دوسری پابندیاں عائد کرنے کا منشا یہ ہے کہ بندہ بارگاہ صمدیت میں ایسی ہیئت اور صورت میں حاضر ہو جس سے اس کی عاجزی، بے چارگی، بے حیثیتی، بے مائیگی اور عیش دنیوی سے بے رغبتی ظاہر ہو۔

سند فخر و امتیاز | محب صادق جب کوئے یار میں داخل ہوتا ہے تو سر پر بال بکھرے ہوئے، لباس میں بھونڈا ہیئت، میلا کچیلا حال، از خود رفتہ عاشق زار، بہ حالت بجا محبوب حقیقی باری تعالیٰ کو اس قدر پسند ہے کہ فرشتوں سے ارشاد فرماتے ہیں:-

انظروا الی زوار بیتی قد جاؤنی۔ میرے گھر کے مشتاقوں کو دیکھو کہ میری طرف بکھرے ہوئے بالوں اور گرد و غبار کی حالت میں آتے ہیں ؎

اپنے دیوانوں کی فریاد سے خوش ہوتے ہیں
پس دیوار کھڑے سنتے ہیں شیون ان کا

حاکمانہ شان کا تقاضا | اس میں شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات عالی کی اس کی شان یہ ہے کہ وہ ذوالجلال والجبروت ہے۔ احکم الحاکمین ہے اور شہنشاہ کل ہے۔ اور ہم اس کے عاجز و گنہگار بندے اور مملوک و محکوم ہیں اس کی اسی حاکمانہ اور شاہانہ شان کا تقاضا یہ ہے کہ بندے اس کے حضور میں ادب و نیاز عجز و انکسار اور سراپا عبدیت کی تصویر بن کر حاضر ہوں

ارکان اسلام میں پہلا عملی رکن "نماز" اسی کا خاص مرقع ہے۔ اور اس میں یہی رنگ غالب ہے اور زکوٰۃ بھی اسی نسبت کے ایک دوسرے رخ کو ظاہر کرتی ہے۔

شان محبوبیت | مگر اللہ کی ایک دوسری شان تو یہ بھی ہے کہ وہ ان تمام صفات جمال سے بدرجہ اتم متصف ہے جن کی وجہ سے انسان کو کسی سے محبت ہوتی ہے اور اس لحاظ سے وہ — بلکہ صرف وہی محبوب حقیقی ہے جس کی شان محبوبیت کا تقاضا یہ ہے کہ بندوں کا تعلق اس کے ساتھ محبت اور والہیت

کا ہو۔ روزے میں بھی کسی قدر یہ رنگ ہے، کھانا پینا چھوڑ دینا اور نفسانی خواہشات سے منہ موڑ لینا عشق و محبت کی منزلوں میں سے ہے۔ مگر حج اس کا پورا پورا مرقع ہے ؎

نغمۂ ساز کہیں، نالۂ پرسوز کہیں
دل تڑپنے کا ہر انداز نیا ہوتا ہے

دلِ حزیں کا سرمایۂ تسکین | بیت اللہ کا حج کرنے والا کیسا محب صادق اور عاشق زار ہے سِلے ہوئے کپڑوں کے بجائے ایک کفن نما لباس پہن لیتا ہے۔ ننگے سر رہتا ہے نہ حجامت بنواتا ہے نہ ناخن ترشواتا ہے نہ بالوں میں کنگھا کرتا ہے نہ تیل لگاتا ہے۔ خوشبو کا استعمال متروک ہے تو تیل کھیل سے جسم کی صفائی بھی متروک ہے جنون اور وارفتگی میں چیخ چیخ کر لبیک لبیک پکارتا ہے ؎

آئے یہ شب وصل نہ کل ہو گی میسّر
جو کچھ کہ اڑانے ہیں مزے آج اڑا لے

کبھی بیت اللہ کے گرد چکر لگاتا ہے اور کبھی اس کے ایک گوشے میں لگے ہوئے سیاہ پتھر (حجر اسود) کو چومتا ہے اور کبھی اس کے در و دیوار سے لپٹتا اور آہ و زاری کرتا ہے۔ اور اس کے دلِ حزیں کے لئے سرمایۂ تسکین ہے ؎

ہر غم سے غم یار کے پہلو نکل آئے
ہم دشت میں چل کر بھی لب جو نکل آئے

پھر صفا و مروہ کے پھیرے کرتا ہے۔ پھر مکہ معظمہ کے شہر سے نکل کر کبھی منیٰ اور کبھی عرفات اور کبھی مزدلفہ کے صحراؤں میں جا پڑتا ہے اور کبھی اپنے محبوب کی خوشنودی کی خاطر ہاتھ میں کنکریاں لے کر بار بار جمرات پر مارتا ہے۔

عشق کی منتہا | یہ سارے اعمال تو وہی ہیں جو محبت کے دیوانوں سے سرزد ہوتے ہیں یہی عشق کا راستہ ہے۔ یہی محبت کی ادائیں ہیں ؎

نہیں آسان سرِ خواہش غم جاناں پہ تیج دینا
مگر میرے دلِ پُرغم نے یہ منزل بھی سر کی ہے

اور حضرت ابراہیم علیہ السلام گویا اس رسم عاشقی کے بانی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو ان کی یہ ادائیں اس قدر پسند آئیں کہ اپنے دربار کی خاص الخاص حاضری حج وعمرہ کے ارکان و مناسک ان کو قرار دیا۔ ان ہی سب کے مجموعہ کا نام گویا "حج" ہے۔ جو محب صادق کی محبت اور عشق کی گویا منتہا ہے ؎

دونوں عالم سے سمیٹے ہوئے دامن اپنا　　آن پہنچا ہے سرِ کوچۂ جاناں کوئی

اگر بندہ کو صحیح اور مخلصانہ حج نصیب ہو جائے اور ابراہیمی و محمدی نسبت اور سچی عاشقانہ عبادت کا کوئی ذرہ عطا ہو جائے تو گویا اس کو سعادت کا اعلیٰ مقام حاصل ہو گیا۔ اور وہ نعمتِ عظمیٰ اس کے ہاتھ آگئی۔ جس سے بڑی کوئی نعمت کا اس دنیا میں تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اس کو یہ حق ہے کہ تحدیثِ نعمت کے طور پر یہ کہے اور مست ہو ہو کر یہ کہے ؎

نازم بچشم خود کہ جمالِ تو دیدہ است　　رفتم بپائے خود کہ بکویت رسیدہ است

ہر دم ہزار بوسہ زنم دست خویش را　　کہ دامنت گرفتہ بسویم کشیدہ است

حجرِ اسود　حجرِ اسود دیکھنے میں پتھر کا ایک ٹکڑا ہے۔ لیکن اس میں ایک روحانیت ہے وہ ہر اس شخص کو پہچانتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی نسبت سے ادب اور محبت کے ساتھ اس کو بلا واسطہ یا بالواسطہ چومتا ہے۔ اور اس کا استلام کرتا ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:- خدا کی قسم! قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کو نئی زندگی دے کر اس طرح اٹھائے گا کہ اس کی دو آنکھیں ہوں گی جن سے وہ دیکھے گا اور زبان ہوگی جس سے وہ بولے گا اور جن بندوں نے اللہ کے حکم کے مطابق عاشقانہ اور نیازمندانہ شان کے ساتھ) اس کا استلام کیا ہو گا وہ اس کے حق میں سچی شہادت دے گا۔

خلافت راشدہ کے نقشِ ثانی حضرت عمر فاروق رضؓ حجرِ اسود کو بوسے بھی دیتے تھے اور کہتے تھے کہ

اِنِّیْ لَاَعْلَمُ اِنَّکَ حَجَرٌ　　میں یقین کے ساتھ جانتا ہوں کہ تو ایک پتھر

مَا تَنْفَعُ وَلَا تَضُرُّ　　ہے (تیرے اندر کوئی خدائی صفت نہیں)

وَلَوْ لَا اَنِّیْ رَاَیْتُ　　نہ تو کسی کو نفع پہنچا سکتا ہے نہ نقصان

رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ　　اور اگر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

وسلم یُقَبِّلُ مَا　　کو تجھے چومتے نہ دیکھا ہوتا تو میں تجھے نہ

قَبَّلْتُکَ　　چومتا۔

طواف کی ابتدا حجرِ اسود کے بوسہ سے ہوتی ہے جس کو حدیثِ پاک میں اللہ جل شانہ کے دستِ مبارک سے تعبیر کیا گیا ہے۔ حجرِ اسود کا بوسہ گویا محبوبِ حقیقی آقائے کریم کی دستِ بوسی ہے اور مالکِ حقیقی کا انتہائی لطف و کرم ہے جس نے خاک کے پتلوں کو یہ سعادت مرحمت فرمائی ؎

جلووں کی وہ اک دنیا حیرت کا یہ اک عالم

وہ حسن کی فطرت ہے یہ عشق کی رسمیں ہیں

عشاق کے نزدیک محبوب کے گھر کے در و دیوار کو چومنا اس کی چوکھٹ پر سر رکھنا اس کی دست بوسی

اور قدم بوسی سچے عشق کے لوازمات سے ہیں ؎

پامال کر گیا ہے کوئی دل کی راہ میں　آنکھوں کو مل رہے ہیں کسی نقشِ پا سے ہم

امرّ علی الدیار دیارِ لیلیٰ　اُقبّلُ ذا الجدار و ذا الجدارا

وما حب الدیار شغفن قلبی　ولکن حب من سکن الدیارا

(میں جب اپنی محبوبہ لیلیٰ کی بستی سے گذرتا ہوں تو کبھی اس دیوار کو چومتا ہوں کبھی اس دیوار کو، دراصل اس بستی کے گھروں کی محبت نے میرے دل کو دیوانہ نہیں بنایا ہے بلکہ میں تو اس بستی میں بسنے والے اپنے محبوب پر فدا ہوں)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حجر اسود پر اپنے لب مبارک رکھے اور بہت دیر تک رکھے رہے اور آنسو جاری تھے۔ اس کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ حضرت عمرؓ بھی کھڑے رو رہے ہیں حضورؐ نے ارشاد فرمایا یہی جگہ ہے جہاں آنسو بہائے جاتے ہیں ؎

میری چشمِ تر کا یہ کیا حال ہے　کہ دامن سے تا آستیں لال ہے

ملتزم خانہ کعبہ کی دیوار کا قریباً دو گز کا جو حصہ حجر اسود اور باب کعبہ کے درمیان ہے وہ ملتزم کہلاتا ہے یہ وہ مبارک جگہ ہے جہاں سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم چمٹ جاتے تھے اپنا سینہ اور چہرہ اس سے لگا دیتے اور ہاتھ بھی پوری طرح پھیلا کے اس پر رکھ دیتے تھے۔ اس جگہ خصوصیت سے دعا قبول ہوتی ہے محب صادق کو وصال اور لطف حاصل ہوتا ہے ؎

چوں رسی بکوئے دلبر بسپار جانِ مضطر　کہ مبادا بار دیگر نہ رسی بدیں تمنا

عرفات، عبدیت کا معراج عرفات کے مبارک میدان میں ذی الحجہ کی نویں تاریخ کو، جو رحمتوں اور برکتوں کے نزول کا خاص دن ہے جب لاکھوں کی تعداد میں اللہ کے بندے فقیروں، محتاجوں کی صورت بنا کر جمع ہوتے ہیں۔ دعائے مغفرت، نزولِ رحمت کی دعائیں اور آہ و زاری کرتے ہیں۔ اس کے سامنے روتے اور گڑگڑاتے ہیں۔ عرفات میں دعا کی حقیقی روح، بندگی اور اپنی عجز و درماندگی کا اظہار ہے۔ اور جس دعا میں یہ جوہر جس قدر زیادہ ہو اسی قدر وہ دعا قیمتی ہوتی ہے۔ ایسا موقعہ اور ایسا دن واہ کیا کہنا ؎

مزے لوٹو کلیم اب آپڑی ہے　بڑی اونچی جگہ قسمت لڑی ہے

بندگی اور عجز و درماندگی کی حقیقت کیا ہے اور عرفات میں اس کا صیغۂ اظہار کیا ہونا چاہئے۔ حضرت رحمت اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے عرفات میں جس طرح بندگی اور عبدیت سے معمور دعا کی انہی الفاظ و معانی کی حقیقت توشۂ دنیا و آخرت ہے۔ حضورؐ نے عرفات میں بارگاہِ ربوبیت میں عرض کیا:-

اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ تَسْمَعُ كَلَامِيْ
وَتَرٰى مَكَانِيْ وَتَعْلَمُ سِرِّيْ
وَعَلَانِيَتِيْ لَا يَخْفٰى عَلَيْكَ
شَيْءٌ مِّنْ اَمْرِيْ وَاَنَا
الْبَائِسُ الْفَقِيْرُ الْمُسْتَغِيْثُ
الْمُسْتَجِيْرُ الْوَجِلُ الْمُشْفِقُ
الْمُقِرُّ الْمُعْتَرِفُ بِذَنْبِهٖ
اَسْئَلُكَ مَسْئَلَةَ الْمِسْكِيْنِ
وَاَبْتَهِلُ اِلَيْكَ اِبْتِهَالَ
الْمُذْنِبِ الذَّلِيْلِ وَاَدْعُوْكَ
دُعَاءَ الْخَائِفِ الضَّرِيْرِ وَدُعَاءَ
مَنْ خَضَعَتْ رَقَبَتُهٗ وَ
فَاضَتْ لَكَ عَبْرَتُهٗ وَذَلَّ
لَكَ جِسْمُهٗ وَرَغِمَ لَكَ
اَنْفُهٗ اَللّٰهُمَّ لَا
تَجْعَلْنِيْ بِدُعَائِكَ شَقِيًّا
وَّكُنْ بِيْ رَءُوْفًا
رَّحِيْمًا يَا خَيْرَ
الْمَسْئُوْلِيْنَ وَيَا خَيْرَ
الْمُعْطِيْنَ "

اے اللہ! تو میری بات سنتا ہے اور میں
جہاں اور جس حال میں ہوں تو اس کو دیکھتا ہے
اور میرے ظاہر و باطن سے تو باخبر ہے، تجھ
سے میری کوئی بات ڈھکی چھپی نہیں۔ میں
دکھی ہوں، محتاج ہوں، فریادی ہوں، پناہ
جو ہوں، ترساں ہوں، ہراساں ہوں اپنے
گناہوں کا اقراری ہوں۔ تجھ سے سوال کرتا
ہوں جیسے کوئی عاجز مسکین بندہ سوال کرتا
ہے۔ تیرے آگے گڑگڑاتا ہوں جیسے گنہگار
ذلیل و خوار گڑگڑاتا ہے۔ اور تجھ سے دعا
کرتا ہوں جیسے کوئی خوفزدہ آفت رسیدہ
دعا کرتا ہے۔ اور اس بندے کی طرح مانگتا
ہوں جس کی گردن تیرے سامنے جھکی ہوئی
ہو اور آنسو بہہ رہے ہوں۔ اور تن بدن
سے وہ تیرے آگے فروتنی کئے ہوئے ہو
اور اپنی ناک تیرے سامنے رگڑ رہا ہو۔ اے
اللہ! تو مجھے اس دعا مانگنے میں ناکام اور
نامراد نہ رکھ۔ اور میرے حق میں بڑا مہربان
نہایت رحیم ہو جا۔ اے ان سب سے بہتر و
برتر جن سے مانگنے والے مانگتے ہیں اور جو
مانگنے والوں کو دیتے ہیں۔

حضور پرنورؐ کی اس دعا کا ایک ایک لفظ عبدیت کی روح سے لبریز اور کمال معرفت کا ترجمان ہے دنیا بھر کے دینی و مذہبی ادب میں اور کسی بھی زبان کی دعاؤں اور مناجاتوں میں اس کی نظیر نہیں ملتی یہ دعا تو قلب محمدؐ سے نکلی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے علم کا خاص عطا فرمایا تھا اور ان کو معرفت نفس اور معرفت رب کا جو مقام حاصل تھا وہ دنیا میں کسی کو بھی حاصل نہ ہو سکا۔ لہٰذا حجاج کرام بھی الفاظ کے ساتھ معانی

اور مفہوم پر نظر رکھ کر جب یہ دعا پڑھتے ہیں تو انہیں بھی عبدیت کی معراج حاصل ہو جاتی ہے۔

رمی جمرات منیٰ میں کافی فاصلے پر تین ستون بنے ہوئے ہیں جن کو جمرات کہا جاتا ہے ان جمرات پر کنکریاں پھینکنا بھی حج کے اعمال اور مناسک میں سے ہے۔

روایات میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام جب اپنے فرزند حضرت اسمٰعیلؑ کو ذبح کرنے کے ارادے سے لے کر چلے اور منیٰ کے حدود میں پہنچے تو ایک جگہ شیطان سامنے آیا اور اس نے اس ارادے سے آپ کو باز رکھنے کی کوشش کی تو حضرت ابراہیمؑ نے اس مردود کے سات کنکریاں ماریں جس سے وہ زمین میں دھنس گیا اور آپ آگے روانہ ہو گئے۔ کچھ دور چلے تھے کہ اللہ کا اور اللہ والوں کا دشمن پھر سامنے آیا اور اس نے ناصح مشفق بن کر آپ کو حضرت اسمٰعیل کی قربانی سے روکنا چاہا۔ آپ نے پھر اس کے سات کنکریاں ماریں جس سے وہ دفع ہو گیا۔ آپ آگے چل دئے۔ کچھ دور کے بعد تیسری دفعہ وہ پھر نمودار ہوا اور پھر اس نے ورغلایا۔ آپ نے پھر اس کو کنکریاں ماریں جس سے وہ پھر زمین میں دھنس گیا۔ اللہ تعالیٰ کو حضرت ابراہیمؑ کی یہ عاشقانہ ادا ایسی پسند آئی کہ قیامت تک کے لئے اس کی نقل بھی حج کا جزء بنا دی گئی۔

تاہم یہ بات ملحوظ رہے کہ کنکریاں پھینکنا بذات خود کوئی نیک عمل نہیں ہے لیکن اللہ کے حکم سے ہر عمل میں عبادت کی شان پیدا ہو جاتی ہے اور بندگی و نیاز مندی تو یہی ہے کہ بے چون وچرا اللہ کے حکم کی تعمیل کی جائے۔ علاوہ ازیں اللہ کے بندے جب اللہ کے حکم سے اس کے جلال وجبروت کا دھیان کرتے ہوئے اور اس کی کبریائی کا نعرہ لگاتے ہوئے شیطانی خیالات وعادات اور نفسانی خواہشات ومعصیات کو عالم تصور میں نشانہ بنا کر ان جمروں پر کنکریاں مارتے ہیں اور اس طرح گمراہی اور معصیت کو سنگسار کرتے ہیں تو ان کے قلوب کی اس وقت جو کیفیت ہوتی ہے اور ان کے ایمان والے سینوں کو جو انشراح اور سرور وانبساط اس سے نصیب ہوتا ہے۔ اس کا ذائقہ بھی تو بس وہی جانتے ہیں ؎

انوار ہیں، جلوے ہیں، اسرار ہیں، پردے ہیں — اس جنبش ابرو سے اس دیدۂ حیراں تک

اہل محبت جانتے ہیں اللہ کے حکم سے اور اس کا نام لے کر جمروں پہ کنکریاں مارنا بھی ایک ایمان افروز مخلصانہ اور عاشقانہ عمل ہے ؎

راہ وفا پہ اہل وفا کیوں نہ مر مٹیں
اس میں بھی زلف یار کا کچھ پیچ وخم تو ہے

سب سے آخر میں قربانی جو حقیقتہً اپنی جان کی قربانی ہے اللہ نے اپنی غایت رحمت اور رافت سے اس کو جانور کی یعنی مال کی قربانی سے بدل دیا ہے یہی محبت کا آخری حال اور عشق کا منتہا ہے۔

سینٹ آف پاکستان نے مولانا سمیع الحق اور مولانا قاضی عبداللطیف کا پیش کردہ "شریعت بل" پانچ سال کی طویل بحث و تمحیص کے بعد ۱۳ مئی ۱۹۹۰ء کو متفقہ طور پر "نفاذ شریعت ایکٹ ۱۹۹۰ء" کے عنوان کے ساتھ منظور کرلیا ہے۔ یہ بل ۱۳ جولائی ۸۵ء کو ایوان بالا میں پیش کیا گیا تھا اور اس پر پانچ سال کے دوران متعدد کمیٹیوں نے کام کیا اور اسے سینٹ سیکرٹریٹ کی طرف سے عوام کی رائے معلوم کرنے کے لیے مشتہر بھی کیا گیا۔ بل میں مختلف حلقوں کی طرف سے متعدد ترامیم پیش کی گئیں اور ترامیم سمیت سینٹ نے بل کا جو آخری مسودہ متفقہ طور پر منظور کیا ہے اس کا متن درج ذیل ہے۔ (ادارہ)

ہرگاہ کہ قرارداد مقاصد کو، جو پاکستان میں شریعت کو بالادستی عطا کرتی ہے، دستور اسلامی جمہوریہ پاکستان ۱۹۷۳ء کے مستقل حصے کی حیثیت سے شامل کرلیا گیا ہے

اور ہرگاہ کہ مذکورہ قرارداد مقاصد کے اغراض کو بروئے کار لانے کے لیے ضروری ہے کہ شریعت کے فی الفور نفاذ کو یقینی بنایا جائے۔

لہٰذا حسب ذیل قانون بنایا جاتا ہے۔

(۱) **مختصر عنوان، وسعت اور آغاز نفاذ**

(۱) یہ ایکٹ نفاذ شریعت ایکٹ ۱۹۹۰ء کے نام سے موسوم ہوگا۔

(۲) یہ پورے پاکستان پر وسعت پذیر ہوگا۔

(۳) یہ فی الفور نافذ العمل ہوگا۔

(۴) اس میں شامل کسی امر کا اطلاق غیر مسلموں کے شخصی قوانین پر نہیں ہوگا۔

(۲) **تعریفات:** اس ایکٹ میں، تاوقتیکہ متن سے اس کے مختلف مطلب ہو، حسب ذیل عبارات سے وہ مفہوم مراد ہے جو یہاں ترتیب وار دیا گیا ہے۔

(الف) "حکومت" سے مراد

(اوّل) کسی ایسے معاملے سے متعلق جسے دستور میں وفاقی قانون سازی کی فہرست یا مشترکہ قانون سازی کی فہرست میں شمار کیا گیا ہو یا کسی ایسے معاملے کے بارے میں جس کا تعلق وفاق سے ہو "وفاقی حکومت" ہے، اور

(دوم) کسی ایسے معاملے سے متعلق جسے مذکورہ فہرستوں میں سے کسی ایک میں شمار نہ کیا گیا ہو یا کسی ایسے معاملے کے بارے میں جس کا تعلق صوبے سے ہو "صوبائی حکومت" ہے۔

(ب) شریعت کی تشریح و تفسیر کرتے وقت قرآن و سنت کی تشریح و تفسیر کے مسلمہ اصول و قواعد کی پابندی کی جائے گی اور راہنمائی کے لیے اسلام کے مسلمہ فقہاء کی تشریحات اور آراء کو ملحوظ رکھا جائے گا جیسا کہ دستور کی دفعہ ۲۲۷ شق (۱) کی تشریح میں ذکر کیا گیا ہے۔

(ج) "عدالت" عدالت سے کسی عدالت عالیہ کے ماتحت کوئی عدالت مراد ہے۔ اس میں وہ ٹریبونل یا مقتدرہ شامل ہے جسے فی الوقت نافذ العمل کسی قانون کی رو سے یا اس کے تحت قائم کیا گیا ہو۔

(د) "قرارداد مقاصد" سے مراد وہ قرارداد مقاصد ہے جس کا حوالہ دستور کے آرٹیکل ۲ (الف) میں دیا گیا ہے اور جس

کو دستور کے ضمیمے میں درج کیا گیا ہے۔

(ز) "مقررہ" سے مراد اس ایکٹ کے تحت مقررہ قواعد ہیں۔

(و) "مستند دینی مدرسہ" سے مراد پاکستان یا بیرون پاکستان کا وہ دینی مدرسہ ہے جسے یونیورسٹی گرانٹس کمیشن یا حکومت قواعد کے مطابق تسلیم کرتی ہو۔

(ح) "مفتی" سے مراد شریعت سے کما حقہ واقف وہ مسلمان عالم ہے جو کسی باقاعدہ دینی مدرسہ کا سند یافتہ او[illegible] تخصص فی الفقہ کی سند حاصل کر چکا ہو اور پانچ سال کسی مستند [illegible] مدرسہ میں علوم اسلامی کی تدریس یا افتاء کا تجربہ رکھتا ہو [illegible] جو دس سال تک کسی مستند دینی مدرسے میں علوم اس[illegible] کی تدریس یا افتاء کا تجربہ رکھتا ہو اور جسے اس قانون کے تحت شریعت کی تشریح اور تعبیر کرنے کے لیے عدالت عظمیٰ، کسی عدالت عالیہ یا وفاقی شرعی عدالت کی اعانت کے لیے مقرر کیا گیا ہو۔

۳۔ شریعت کی بالادستی: شریعت پاکستان کا اعلیٰ ترین قانون [illegible] مذکورہ ذیل طریقے سے نافذ کیا جائے گا [illegible] دستور العمل میں شامل کسی امر کے [illegible]

۴۔ عد[illegible] شریعت کے مطابق مقدمات کا فیصلہ کریں گی

(۱) اگر کسی عدالت کے سامنے یہ سوال اٹھایا جائے کہ کوئی قانون یا قانون کا کوئی حکم شریعت کے منافی ہے تو عدالت اگر اسے اطمینان ہو کہ سوال غور طلب ہے ایسے معاملات کی نسبت جو دستور کے تحت وفاقی شرعی عدالت کے اختیار سماعت کے اندر آتے ہوں وفاقی شرعی عدالت سے استصواب کرے گی اور مذکورہ عدالت مقدمہ کا ریکارڈ طلب کر سکے گی اور اس کا جائزہ لے سکے گی اور امر تنقیح طلب کا ساٹھ دن کے اندر اندر فیصلہ کرے گی۔

مگر شرط یہ ہے کہ اگر سوال کا تعلق کسی ایسے مسئلے سے ہو جو دستور کے تحت وفاقی شریعت کورٹ کے دائرۂ اختیار سے باہر ہو تو عدالت امر تنقیح طلب کو عدالت عالیہ کے حوالے کر دے گی

جو اس کا ساٹھ دن کے اندر اندر فیصلہ کرے گی۔

مزید شرط یہ ہے کہ عدالت کسی ایسے قانون یا قانون کے حکم کی نسبت اس کے شریعت کے منافی ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں کسی سوال پر غور نہیں کرے گی جس کا وفاقی شرعی عدالت یا عدالت عظمیٰ کی شرعی مرافعہ بنچ پہلے ہی جائزہ لے چکی ہو اور اس کے شریعت کے منافی نہ ہونے کا فیصلہ کر چکی ہو۔

(۲) ذیلی دفعہ (۱) کا دوسرا فقرہ شرطیہ وفاقی شرعی عدالت یا عدالت عظمیٰ کی شرعی مرافعہ بنچ کی جانب سے دیے گئے کسی فیصلے یا صادر کسی حکم پر نظر ثانی کرنے کے اختیار پر اثر انداز نہیں ہوگا۔

(۳) عدالت عالیہ، خود اپنی تحریک پر یا پاکستان کے کسی شہری یا وفاقی حکومت یا کسی صوبائی حکومت کی درخواست پر یا ذیلی دفعہ (۱) کے پہلے فقرہ شرطیہ کے تحت اس سے کیے گئے کسی استصواب پر، اس سوال کا جائزہ لے سکے گی اور فیصلہ کر سکے گی کہ آیا کوئی مسلم شخصی قانون کسی عدالت یا ٹریبونل کے ضابطہ کار سے متعلق کوئی قانون یا کوئی اور قانون جو وفاقی شرعی عدالت کے دائرۂ اختیار سے باہر ہو یا مذکورہ قانون کا کوئی حکم شریعت کے منافی ہے یا نہیں۔

مگر شرط یہ ہے کہ سوال کا جائزہ لیتے ہوئے عدالت عالیہ توضیح طلب سوال سے متعلقہ شعبہ کا تخصیصی ادراک رکھنے والے ماہرین میں سے جن کو وہ مناسب سمجھے کو طلب کرے اور ان کے نقطۂ نظر کی سماعت کرے گی۔

۴۔ جبکہ عدالت عالیہ ذیلی دفعہ (۳) کے تحت کسی قانون یا قانون کے حکم کا جائزہ لینا شروع کرے اور اسے ایسا قانون یا قانون کا حکم شریعت کے منافی معلوم ہو، تو عدالت عالیہ ایسے قانون کی صورت میں جو دستور میں وفاقی فہرست قانون سازی یا مشترکہ فہرست قانون سازی میں شامل کسی معاملے سے متعلق ہو وفاقی حکومت کو یا کسی ایسے معاملے سے متعلق کسی قانون کی صورت میں جو ان فہرستوں میں سے کسی ایک میں بھی شامل نہ ہو صوبائی حکومت کو ایک نوٹس دے گی جس میں ان خاص احکام کی

صراحت ہو گی جو اسے بایں طور پر منافی معلوم ہوں اور مذکورہ حکومت کو اپنا نقطۂ نظر عدالت عالیہ کے سامنے پیش کرنے کے لیے مناسب موقع دے گی۔

(۵) اگر عدالت عالیہ فیصلہ کرے کہ کوئی قانون یا قانون کا کوئی حکم شریعت کے منافی ہے تو وہ اپنے فیصلے میں حسب ذیل بیان کرے گی۔

(الف) اس کی مذکورہ رائے قائم کرنے کی وجوہ

(ب) وہ حد جہاں تک ایسا قانون یا حکم بایں طور پر منافی ہے اور

(ج) اس تاریخ کا تعین جس پر وہ فیصلہ نافذ العمل ہوگا۔

مگر شرط یہ ہے کہ ایسا کوئی فیصلہ اس میعاد کے گزرنے سے پہلے جس کے اندر عدالت عظمیٰ میں اس کے خلاف اپیل داخل ہو سکتی ہو یا جبکہ اپیل بایں طور داخل کر دی گئی ہو اس اپیل کے فیصلے سے پہلے نافذ العمل نہیں ہوگا۔

(۶) عدالت عالیہ کو اس دفعہ کے تحت اپنے دیے ہوئے کسی فیصلے یا صادر کردہ کسی حکم پر نظر ثانی کرنے کا اختیار رہیگا۔

(۷) اس دفعہ کی رو سے عدالت عالیہ کو عطا کردہ اختیار سماعت کو کم از کم تین ججوں کی کوئی بنچ استعمال کرے گی۔

(۸) اگر ذیلی دفعہ (۱) یا ذیلی دفعہ (۲) میں محولہ کوئی سوال عدالت عالیہ کی یک رکنی بنچ یا دو رکنی بنچ کے سامنے اٹھے تو اسے کم از کم تین ججوں کی بنچ کے حوالے کیا جائے گا۔

(۹) اس دفعہ کے تحت کسی کارروائی میں عدالت عالیہ کے قطعی فیصلے سے ناراض کوئی فریق مذکورہ فیصلے سے ساٹھ دن کے اندر عدالت عظمیٰ میں اپیل داخل کر سکے گا۔

مگر شرط یہ ہے کہ وفاق یا کسی صوبے کی طرف سے اپیل مذکورہ فیصلے کے چھ ماہ کے اندر داخل کی جا سکے گی۔

(۱۰) اس قانون میں شامل کوئی امر یا اس کے تحت کوئی فیصلہ اس قانون کے آغاز نفاذ سے قبل کسی عدالت یا ٹریبونل یا مقتدرہ کی طرف سے کسی قانون کے تحت دی گئی سزاؤں، دیے گئے احکام یا سنائے ہوئے فیصلوں، منظور شدہ ڈگریوں، ذمہ کیے گئے واجبات، حاصل شدہ حقوق، کی گئی تشخیصات، وصول شدہ رقوم یا اعلان کردہ قابل ادا رقوم پر اثر انداز نہیں ہوگا۔

تشریح: اس ذیلی دفعہ کی غرض کے لیے "عدالت یا ٹریبونل" سے مراد اس قانون سے آغاز نفاذ سے قبل کسی وقت کسی قانون یا دستور کی رو سے یا اس کے تحت قائم شدہ کوئی عدالت یا ٹریبونل ہوگی اور لفظ "مقتدرہ" سے مراد فی الوقت نافذ العمل کسی قانون کے تحت قائم شدہ کوئی مقتدرہ ہوگی۔

(۱۱) کوئی عدالت یا ٹریبونل بشمول عدالت عالیہ کسی زیر سماعت یا اس قانون کے آغاز نفاذ کے بعد شروع کی گئی کسی کارروائی کو محض اس بنا پر موقوف یا ملتوی نہیں کرے گی کہ یہ سوال کہ آیا کوئی قانون یا قانون کا حکم شریعت کے منافی ہے یا نہیں عدالت عالیہ یا وفاقی شرعی عدالت کے سپرد کر دیا گیا ہے یا یہ کہ عدالت عالیہ نے اس سوال کا جائزہ لینا شروع کر دیا ہے اور ایسی کارروائی جاری رہے گی اور اس میں امر دریافت طلب کا فیصلہ فی الوقت نافذ العمل قانون کے مطابق کیا جائے گا۔ بشرطیکہ عدالت عالیہ ابتدائی سماعت کے بعد یہ فیصلہ نہ دے کہ زیر سماعت مقدمات کو عدالت کے فیصلے تک روک دیا جائے۔

(۵) **شریعت کے خلاف احکامات دینے پر پابندی:** انتظامیہ کا کوئی بھی فرد بشمول صدر مملکت، وزیر اعظم اور وزیر اعلیٰ شریعت کے خلاف کوئی حکم نہیں دے سکے گا اور اگر ایسا کوئی حکم دے دیا گیا ہو تو اسے عدالت عالیہ میں چیلنج کیا جا سکے گا۔

۶۔ **عدالتی عمل اور احتساب:** حکومت کے تمام عمال دستور کے تابع رہتے ہوئے اسلامی نظام انصاف کے پابند ہوں گے اور شریعت کے مطابق عدالتی احتساب سے بالاتر نہیں ہوں گے۔

(۷) **علماء کو جج اور معاونین عدالت مقرر کیا جا سکے گا۔** (۱) ایسے تجربہ کار اور مستند علماء جو اس قانون کے تحت مفتی مقرر کیے جانے کے اہل ہوں عدالتوں کے ججوں اور معاونین عدالت کے طور پر مقرر کیے جانے کے بھی اہل ہوں گے۔

(۲) ایسے اشخاص جو پاکستان یا بیرون ملک اس مقصد کے لیے متعلقہ حکومت کے تسلیم شدہ اسلامی علوم کے معروف اداروں اور مستند دینی مدارس سے شریعت کا راسخ علم رکھتے ہوں فی الوقت نافذ العمل کسی دیگر قانون میں شامل کسی امر کے باوجود شریعت کی تشریح اور تعبیر کے لیے عدالت کے سامنے اس مقصد کے لیے وضع کیے جانے والے قواعد کے مطابق پیش ہونے کے اہل ہوں گے۔

(۳) صدر، چیف جسٹس عدالت عالیہ کے مشورے سے ذیلی دفعہ (۱) کی غرض کے لیے قواعد مرتب کرے گا جن میں ججوں اور عدالتوں میں معاونین عدالت کی حیثیت سے تقرر کے لیے مطلوبہ اہلیت اور تجربہ کی وضاحت ہوگی۔

(۴) ایسے اشخاص جو بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد یا کسی دیگر یونیورسٹی سے قانون اور شریعت میں گریجویٹ یا پوسٹ گریجویٹ ڈگریاں رکھتے ہوں فی الوقت نافذ العمل کسی دیگر قانون میں شامل کسی امر کے باوجود، اس غرض کے لیے حکومت کے وضع کردہ قواعد کے مطابق ایڈووکیٹ کی حیثیت سے اندراج کے اہل ہوں گے۔

(۵) اس دفعہ کے احکام کسی طور پر بھی قانون پیشہ اشخاص اور مجالس وکلاء متعلقہ قانون کے تحت اندراج شدہ وکلاء کے مختلف عدالتوں، ٹریبونلوں اور دیگر مقتدرات بشمول عدالت عظمیٰ کسی عدالت عالیہ یا وفاقی شرعی عدالت میں پیش ہونے کے حق پر اثر انداز نہیں ہوں گے۔

۸۔ **مفتیوں کا تقرر:** (۱) صدر، چیف جسٹس پاکستان یا چیف جسٹس وفاقی عدالت اور چیئرمین اسلامی نظریاتی کونسل کے مشورہ سے، جس طرح وہ مناسب تصور کرے ایسے اور اتنے مفتیوں کا تقرر کرے گا جو عدالت عظمیٰ، عدالت عالیہ اور وفاقی شرعی عدالت کی شریعت کے احکام کی تعبیر و تشریح میں اعانت کے لیے مطلوب ہوں۔

(۲) ذیلی دفعہ (۱) کے تحت مقرر کردہ کوئی مفتی صدر کی خوشنودی کے دوران اپنے عہدہ پر فائز رہے گا اور اس کا عہدہ فی الوقت کسی نائب اٹارنی جنرل برائے پاکستان کے برابر ہوگا۔

(۳) مفتی کا یہ فرض ہوگا کہ وہ حکومت کو ایسے قانونی امور کے بارے میں جن پر شریعت کی تشریح و تعبیر درکار ہو مشورہ دے اور ایسے دیگر فرائض انجام دے جو حکومت کی طرف سے اس کے سپرد یا اس کو تفویض کیے جائیں اور اسے حق حاصل ہوگا کہ اپنے فرائض کی بجا آوری میں عدالت عظمیٰ اور عدالت عالیہ میں جب کہ وہ اس قانون کے تحت اختیار سماعت استعمال کر رہی ہوں اور وفاقی شرعی عدالت میں سماعت کے لیے پیش ہو۔

(۴) کوئی مفتی کسی فریق کی وکالت نہیں کرے گا بلکہ زیر غور امر سے متعلق اپنی دانست کے مطابق شریعت کے حکم بیان کرے گا، اس کی توضیح، تشریح و تعبیر کرے گا اور شریعت کی تشریح کے بارے میں اپنا تحریری بیان عدالت میں پیش کرے گا۔

(۵) حکومت پاکستان کی وزارت قانون و انصاف مفتیوں کے بارے میں انتظامی امور کی ذمہ دار ہوگی۔

(۹) **شریعت کی تدریس و تربیت:** (۱) مملکت اسلامی قانون کے مختلف شعبوں میں تعلیم و تربیت کے لیے مؤثر انتظامات کرے گی تاکہ شریعت کے مطابق نظام عدل کے لیے تربیت یافتہ افراد دستیاب ہو سکیں۔

(۲) مملکت ماتحت عدلیہ کے ارکان کے لیے وفاقی جوڈیشل اکادمی اسلام آباد اور اسی طرح کے دیگر اداروں میں مسلمہ مکاتب فکر کے فقہ اور اصول فقہ کی تدریس و تربیت نیز باقاعدہ وقفوں سے تجدیدی پروگراموں کے انعقاد کے لیے مؤثر انتظامات کرے گی۔

(۳) مملکت پاکستان کے لاء کالجوں میں مسلمہ مکاتب فکر کے فقہ اور اصول فقہ کے جامع اسباق کو نصاب میں شامل کرنے کے لیے مؤثر اقدامات کرے گی۔

(۱۰) **معیشت کو اسلامی بنانا:** (۱) مملکت اس امر کو یقینی بنانے کے لیے اقدامات کرے گی کہ پاکستان کے معاشی نظام کی تعمیر اجتماعی عدل کے اسلامی معاشی اصولوں، اقدار اور ترجیحات کی بنیاد پر کی جائے اور دولت کمانے کے ان تمام ذرائع پر پابندی ہو جو خلاف شریعت ہیں۔

(۲) صدر اس قانون کے آغاز نفاذ کے ساٹھ دن کے اندر ایک مستقل کمیشن مقرر کرے گا جو ماہرین معاشیات، علماء اور منتخب

نمائندگان پارلیمنٹ پر مشتمل ہوگا جن کو وہ موزوں تصور کرے اور ان میں سے ایک کو اس کا چیئرمین مقرر کرے گا۔

(۳) کمیشن کے چیئرمین کو حسب ضرورت مشیر مقرر کرنے کا اختیار ہوگا۔

(۴) کمیشن کے کارہائے منصبی حسب ذیل ہوں گے:

(الف) معیشت کو اسلامی بنانے کے عمل کی نگرانی کرنا اور عدم تعمیل کے معاملات وفاقی حکومت کے علم میں لانا۔

(ب) کسی مالیاتی قانون یا محصولات اور فیسوں کے عائد کرنے اور وصول کرنے سے متعلق کسی قانون یا بنکاری اور بیمہ کے عمل اور طریقۂ کار کو اسلام سے ہم آہنگ کرنے کے لیے سفارش کرنا۔

(ج) دستور کے آرٹیکل ۳۸ کی روشنی میں عوام کی سماجی اور معاشی فلاح و بہبود کے حصول کے لیے پاکستان کے معاشی نظام میں تبدیلیوں کی سفارش کرنا اور

(د) ایسے طریقے اور اقدامات تجویز کرنا جن میں ایسے موزوں متبادلات شامل ہوں جن کے ذریعے وہ نظام معیشت نافذ کیا جا سکے جسے اسلام نے پیش کیا ہے۔

(۵) کمیشن کی سفارش پر مشتمل ایک جامع رپورٹ اس کے تقرر کی تاریخ سے ایک سال کی مدت کے اندر وفاقی حکومت کو پیش کی جائے گی اور اس کے بعد کمیشن حسب ضرورت وقتاً فوقتاً اپنی رپورٹیں پیش کرتا رہے گا۔ البتہ سال میں کم از کم ایک رپورٹ پیش کرنا لازمی ہوگا۔ کمیشن کی رپورٹ حکومت کو موصول ہونے کے ۳ ماہ کے اندر پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں اور تمام صوبائی اسمبلیوں کے سامنے بحث کے لیے پیش کی جائے گی۔

(۶) کمیشن کو ہر لحاظ سے جس طرح وہ مناسب تصور کرے اپنی کارروائی کے انصرام اور اپنے طریقۂ کار کے انضباط کا اختیار ہوگا۔

(۷) جملہ انتظامی مقتدرات، ادارے اور مقامی حکام کمیشن کی اعانت کریں گے۔

(۸) وزارت خزانہ حکومت پاکستان اس کمیشن سے متعلق انتظامی امور کی ذمہ دار ہوگی۔

(۱۱) <u>ذرائع ابلاغ عامہ اسلامی اقدار کو فروغ دیں گے</u>: مملکت کی یہ ذمہ داری ہوگی کہ وہ ایسے مؤثر اقدام کرے جن کے ذریعے ذرائع ابلاغ عامہ سے اسلامی اقدار کو فروغ ملے نیز نشر و ابلاغ کے ہر ذریعہ سے خلاف شریعت پروگرام فواحش اور منکرات کی اشاعت پر پابندی ہوگی۔

(۱۲) <u>تعلیم کو اسلامی بنانا</u>: (۱) مملکت اسلامی معاشرہ کی حیثیت سے جامع اور متوازن ترقی کے لیے مؤثر اقدامات کرے گی تاکہ اس امر کو یقینی بنایا جا سکے کہ پاکستان کے نظام تعلیم و تدریس کی اساس اسلامی اقدار پر ہو۔

(۲) صدر مملکت اس قانون کے آغاز نفاذ سے ساٹھ دن کے اندر تعلیم اور ذرائع ابلاغ کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے کے لیے ایک کمیشن مقرر کرے گا جو ماہرین تعلیم، ماہرین ابلاغ عامہ، علماء اور منتخب نمائندگان پارلیمنٹ پر مشتمل ہوگا جن کو وہ موزوں تصور کرے اور ان میں سے ایک کو اس کا چیئرمین مقرر کرے گا۔

(۳) کمیشن کے چیئرمین کو حسب ضرورت مشیر مقرر کرنے کا اختیار ہوگا۔

(۴) کمیشن کے کارہائے منصبی یہ ہوں گے:-

(الف) دفعہ ۱۱ اور اس دفعہ کی ذیلی دفعہ (۱) میں تذکرہ مقصد کے حصول کے لیے پاکستان کے تعلیمی نظام اور ذرائع ابلاغ کا جائزہ لے اور اس بارے میں سفارشات پیش کرے۔

(ب) تعلیم اور ذرائع ابلاغ کو اسلام کے مطابق ڈھالنے کے عمل کی نگرانی کرے اور عدم تعمیل کے معاملات وفاقی حکومت کے علم میں لائے۔

(۵) کمیشن کی سفارشات پر مشتمل ایک جامع رپورٹ اس کے تقرر کی تاریخ سے ایک سال کی مدت کے اندر وفاقی حکومت کو پیش کی جائے گی اور اس کے بعد کمیشن حسب ضرورت وقتاً فوقتاً اپنی رپورٹیں پیش کرتا رہے گا۔ البتہ سال میں کم از کم ایک رپورٹ پیش کرنا لازمی ہوگا۔ کمیشن کی رپورٹ حکومت کو موصول ہونے کے تین ماہ کے اندر پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں اور تمام صوبائی اسمبلیوں کے سامنے بحث کے لیے پیش کی جائے گی۔

(۶) کمیشن کو ہر لحاظ سے جس طرح وہ مناسب تصور کرے اپنی کارروائی کے انصرام اور اپنے طریقۂ کار کے انضباط کا اختیار ہوگا۔

(۷) جملہ انتظامی مقتدرات، ادارے اور مقامی حکام کمیشن کی

امانت کریں گے۔

(۸) وزارت تعلیم حکومت پاکستان اس کمیشن سے متعلق انتظامی امور کی ذمہ دار ہوگی۔

(۱۳) <u>عمال حکومت کے لیے شریعت کی پابندی،</u> انتظامیہ، عدلیہ اور مقننہ کے تمام مسلمان ارکان کے لیے فرائض شریعت کی پابندی اور کبائر سے اجتناب لازم ہوگا۔

(۱۴) <u>قوانین کی تعبیر شریعت کی روشنی میں کی جائے گی۔</u> اس قانون کی غرض کے لیے

(اوّل) قانون موضوعہ کی تشریح و تعبیر کرتے وقت، اگر ایک سے زیادہ تشریحات و تعبیرات ممکن ہوں تو عدالت کی طرف سے اس تشریح و تعبیر کو اختیار کیا جائیگا جو اسلامی اصول اور فقہی قواعد و ضوابط اور اصول ترجیح کے مطابق ہو اور

(دوم) جب دو یا دو سے زیادہ تشریحات و تعبیرات مساوی طور پر ممکن ہوں تو عدالت کی طرف سے اس تشریح و تعبیر کو اختیار کیا جائے گا جو اسلامی احکام اور دستور میں بیان کردہ حکمت عملی کے اصولوں کو فروغ دے۔

(۱۵) <u>بین الاقوامی مالی ذمہ داریوں کا تسلسل</u> : اس قانون کے احکام یا اس کے تحت دیے گئے کسی فیصلے کے باوجود اس قانون کے نفاذ سے پہلے کسی قومی ادارے اور بیرونی ایجنسی کے درمیان عائد کردہ مالی ذمہ داریاں اور کیے گئے معاہدے موثر، لازم اور قابل عمل رہیں گے۔

<u>تشریح</u>، اس دفعہ میں "قومی ادارے" کے الفاظ میں وفاقی حکومت یا کوئی صوبائی حکومت، کوئی قانونی کارپوریشن، کمپنی، ادارہ، تجارتی ادارہ اور پاکستان میں کوئی شخص شامل ہوں گے اور "بیرونی ایجنسی" کے الفاظ میں کوئی بیرونی حکومت کوئی بیرونی مالی ادارہ، بیرونی سرمایہ منڈی بشمول بنک اور کوئی بھی قرض دینے والی بیرونی ایجنسی بشمول کسی شخص کے شامل ہوں گے۔

(۱۶) <u>موجودہ ذمہ داریوں کی تکمیل</u> : اس قانون میں شامل کوئی امر یا اس کے تحت کوئی دیا گیا فیصلہ کسی عائدکردہ مالی ذمہ داری کی باضابطگی پر اثر انداز نہیں ہوگا بشمول ان ذمہ داریوں کے جو وفاقی حکومت یا کسی صوبائی حکومت یا کسی مالی یا قانونی کارپوریشن یا دیگر ادارے نے کسی دستاویزات کے تحت واجب کی ہوں یا اس کی طرف سے کی گئی ہوں، خواہ وہ معاہداتی ہوں یا بصورت دیگر ہوں یا ادائیگی کے وعدے کے تحت ہوں اور یہ تمام ذمہ داریاں، وعدے اور مالی پابندیاں قابل عمل لازم اور مؤثر رہیں گی۔

(۱۷) <u>قواعد،</u> متعلقہ حکومت، سرکاری جریدے میں اعلان کے ذریعے اس قانون کی اغراض کی بجاآوری کے لیے وضع کریگی۔

بقیہ : نو سالہ ماں

ایک مسئلہ یہ بھی ہے۔ ان دانشوروں نے اس روایت کے انکار کے لیے یہ مفروضہ قائم کر دیا کہ نو سالہ لڑکی بالغ اور ماں کیسے بن سکتی ہے لیکن جب یہی دانشور اخبارات کی زبانی اور تصاویر کی روشنی میں نو سالہ لڑکی کے نہ صرف بالغ ہونے بلکہ صحت مند بچے کو جنم دے کر ماں بن جانے کی خبر پڑھتے ہیں تو اسے تسلیم کرنے میں انہیں ذرا بھی جھجک نہیں ہوتی۔ "یوں ہو سکتا ہے" کہہ کر اس کا برملا اعتراف کر لیتے ہیں۔ کسی قسم کا کوئی اشکال کوئی شرم و عار محسوس نہیں کرتے نہ اخباری رپورٹروں کو کوسا جاتا ہے نہ مصوروں کو برا کہا جاتا ہے مگر جب یہی بلکہ اس سے کم بات اگر کسی حدیث میں پڑھتے ہیں تو قیامت برپا ہو جاتی ہے، جی بھر کر گالیاں دی جاتی ہیں، حدیث کی اصلاح کا مشورہ دیا جاتا ہے، عجمی سازش کی رٹ لگائی جاتی ہے علمائے ملائیت کے خلاف ایک طوفان بدتمیزی برپا کر دیا جاتا ہے

آخر اس انکار کا مقصد کیا ہے؟ کیا بات ہے کہ اخبار کی خبر بلا چون و چرا مان لی جائے اور کتب احادیث کی تکذیب کر دی جائے کیا اس کا صاف مقصد یہ نہیں کہ اہل اسلام کے قلوب سے احادیث اور محدثین کی عظمت و وقعت گرا دی جائے مسائل و احکام میں من مانی کی اجازت دی جائے اور قرآن کی تشریح میں ہر شخص کو آزاد کر دیا جائے! سوچیئے اس کا انجام کیا ہوگا۔ اللہ سب کو عقل سلیم اور قلب صحیح نصیب فرمائے۔ آمین۔

کُرۂ ارض رُوح افزا کے حصار میں!

آئینہ دارِ ثقافت : مشروبِ مشرق و مغرب

اب تک اتنی تعداد میں بن چکا ہے کہ اس کی بوتلیں کُرۂ ارض کا احاطہ کرتی ہیں۔

ابوریحان محمد ابنِ احمد البیرونی نے تقریباً نوسو سال قبل جہلم کے نزدیک نندنا پہاڑ پر بیٹھ کر دنیا کا قطر ناپا تھا جو ۷۹۰۲ میل تھا۔ اس پیمائش کو بعد میں جدید سائنسی تحقیق نے درست قرار دیا۔ حکیم حافظ عبدالمجید نے دہلی میں بیٹھ کر نباتات گل و گلاب اور فواکہات کے طبّی خواص کے بموجب ۱۹۰۶ء میں رُوح افزا کا عہدساز فارمولا مرتب کیا۔

یہ نادر روزگار شربت رُوح افزا اس عرصہ میں اتنی تعداد میں تیار ہو کر فروخت ہو چکا ہے کہ اس کی بوتلیں اپنی تعداد کے لحاظ سے پورے کُرۂ ارض کا احاطہ کرتی ہیں اور اب رُوح افزا مشروبِ خلائق کا درجہ حاصل کر چکا ہے۔

شماریات کے مطابق صرف پاکستان میں ۱۹۴۸ء سے اب تک رُوح افزا کی اتنی بوتلیں تیار ہوئیں کہ ان سے تیار ہونے والے **دو ارب، دس کروڑ، اکانوے لاکھ، نواسی ہزار، چار سو چالیس گلاس** خلائق کی تسکین کا سامان کر چکے ہیں۔

پاکستان میں رُوح افزا کی تیاری پر اب تک استعمال ہونے والی خام اشیاء کا گوشوارہ:

- شکر
- ست لیموں

۷,۹۲,۵۲,۷۹۴ کلوگرام
سات کروڑ، بانوے لاکھ، باون ہزار، سات سو چورانوے کلوگرام

- عرقِ رُوح افزا ★
- عرقِ گلاب
- عرقِ بہار
- عرقِ کیوڑا

۱,۰۶,۵۱,۷۰۴ لیٹر
ایک کروڑ، چھ لاکھ، اکاون ہزار، چار سو سات لیٹر

★ عرق رُوح افزا میں مختلف جڑی بوٹیوں، سبزیوں اور پھلوں کے عرقیات شامل ہیں۔

رُوح افزا کے لیے ۱۹۰۶ء سے ماہرینِ نباتات کاشت کر رہے ہیں، باغبان گل و گلاب اُگا رہے ہیں اور ہزارہا انسان فواکہات پیدا کرنے میں مصروف ہیں۔ لاکھوں من گنّا اُگایا جا رہا ہے۔ بے شمار انسان اور لاتعداد مشینیں شب و روز مصروفِ عمل ہیں اور نگران ماہرینِ عرق سازی سے تیاری تک اعلیٰ معیار برقرار رکھنے پر توجہ دے رہے ہیں، تب جا کر رُوح افزا تیار ہو کر شائقین تک پہنچتا ہے۔ اسی عرق ریزی کی وجہ سے تمام دنیا رُوح افزا کی قدردان ہے اور یہ مشروبِ خلائق ہے۔

مشروبِ مشرق

رنگ، خوشبو، ذائقے، تاثیر اور معیار میں بے مثال رُوح افزا ہمدرد

مشروبِ خلائق

تحقیق، رُوح تخلیق ہے

ADARTS HRA 1/90

مولانا محمد عبدالمعبود صاحب، خطیب جامع مسجد پھولوں والی۔ راولپنڈی

عہد نبویؐ میں نظامِ تعلیم

نبی امی فداہ ابی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سب سے پہلا جو خدائی حکم ملا اور جس سے وحی خداوندی کا آغاز ہوا وہ تعلیم و حکمت جیسے عظیم المرتبت موضوع سے متعلق تھا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے :۔

اقراء باسم ربک الذی خلق ۰

پڑھنے کے حکم کے ساتھ اس کے لوازمات کا ذکر اس کی اہمیت کو اجاگر کرتا ہے۔ یعنی قلم ہی کا واسطہ ہے جو انسانی تہذیب تمدن کا ضامن ہے۔ چونکہ تعلیم کی عموماً دو ہی صورتیں ہیں۔ ایک زبانی اور دوسری بذریعہ قلم، تحریر و کتابت کی صورت ہیں، اس لئے اولیں طور پر ان دونوں کا ذکر کر دیا گیا۔

حضرت قتادہ فرماتے ہیں :۔ قلم اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے اگر یہ نہ ہوتا تو نہ کوئی دین قائم رہتا اور نہ دنیا کے کاروبار درست ہوتے۔ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان ہے کہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا کرم ہے جو اس نے اپنے بندوں کو ان چیزوں کا علم دیا جنہیں وہ نہیں جانتے تھے۔ اس طرح انہیں جہالت کے اندھیرے سے نکال کر نورِ علم سے نوازا۔ اور علم و کتابت کی ترغیب دی۔ کیونکہ اس میں بے شمار منافع ہیں۔ اللہ کے سوا کوئی بھی ان کا احاطہ نہیں کر سکتا۔ تمام علوم و حکم کی تدوین اولین و آخرین کی تاریخ۔ ان کے حالات و مقالات اور اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتابیں سب قلم ہی کے ذریعہ لکھی گئیں اور رہتی دنیا تک باقی رہیں گی۔ اگر قلم نہ ہو تو دین و دنیا کے سارے کام بے حقیقت ہو جائیں۔

ہجرت کے بعد معلم انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے علم و ادب کی ترویج و ترقی پر خصوصی توجہ دی، اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم نے بھی مشکوٰۃِ نبوت سے اکتسابِ فیض کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ آپ نے مسجد نبوی کے شمال مشرقی گوشے کو "دارالعلوم" کی حیثیت سے علم و ادب کا مرکز قرار دیا اور عرف عام میں اسے "صُفّہ" کے نام سے شہرت حاصل ہوئی۔ اس میں تعلیم حاصل کرنے والے شمع علم کے پروانے "اصحاب صفہ" کے لقب سے نوازے گئے۔ اس میں زیر تعلیم طلباء دو قسم کے تھے۔ کچھ تو ایسے طلباء تھے جو شہر میں رہنے والے تھے پڑھ کر گھر چلے جاتے اور کچھ ایسے بھی تھے جن کا گھر نہ ہونے کی وجہ سے وہی ان کا ہاسٹل بھی تھا۔ اور بعض طلباء و فضلاء کی اقامت گاہ دور ہونے کی وجہ سے ایک دن کے وقفہ سے آتے تھے۔ جیسا کہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ عوالی میں مقیم تھے۔ جو مسجد نبوی شریف سے کسی قدر دور ہے۔ بنا برایں آپ کے لئے ہمہ وقتی اکتساب علم و فیض

ممکن نہ تھا۔ تاہم یہ معمول بنالیا تھا کہ ایک روز خود آتے اور ایک روز اپنے پڑوسی حضرت عتبان بن مالکؓ کو بھیجتے تاکہ فرمانِ نبوت سے خوشہ چینی میں کسی دن بھی محروم نہ رہیں۔

اس پہلی "اسلامی یونیورسٹی" میں تعلیم ابتدائی نوعیت کی ہونے کے باوجود متعدد شعبوں پر مشتمل تھی۔ مثلاً لکھائی پڑھائی کا شعبہ۔ تعلیم قرآن مجید۔ فقہی احکام و مسائل۔ قرأۃ و تجوید وغیرہ۔ اور ہر ایک شعبہ ماہر اور تجربہ کار اساتذہ کے سپرد تھا۔ مزید برآں یہ کہ معلمِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت رئیس ادارہ وقتاً فوقتاً خود بھی انہیں تعلیم سے نوازتے تھے۔

تعلیم و تعلم کا طریقہ یہ تھا کہ تمام طلبا حلقہ بنا کر بیٹھ جاتے اور ایک آدمی کھڑے ہو کر قرآن مجید کی آیات پڑھتا اور دوسرے لوگ سنتے۔ پھر دوسرا پڑھتا۔ اسی طرح حلقہ میں شریک ہر ایک آدمی باری باری پڑھتا تھا۔ جس سے بڑی سہولت کے ساتھ وہ آیات سب کو یاد ہو جاتی تھیں۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے:-

ایک مرتبہ معلم انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی میں تشریف فرما ہوئے، دیکھا کہ ایک حلقۂ تعلیم قائم ہے۔ ایک قاری قرآن مجید پڑھ رہا ہے اور باقی سب سن رہے ہیں۔ پڑھنے والے کی نگاہ جب امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم پر پڑی تو احتراماً رک گیا اور ادب کے ساتھ سلام عرض کیا۔ آپ اس حلقہ میں بیٹھ گئے اور ہاتھ سے پڑھنے کا اشارہ فرمایا۔ لوگوں نے آپ کے گرد حلقہ بنالیا۔ آپ اس اندازِ تعلیم سے بے حد مسرور ہوئے۔

ایک دفعہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کاشانۂ نبوت سے برآمد ہوئے تو آپ کو مسجد میں دو حلقے نظر آئے۔ ایک میں لوگ تلاوت اور دعا میں مصروف تھے جب کہ دوسرے میں تعلیم و تعلم میں مشغول۔ آپ نے دونوں کی تعریف و تحسین فرمائی۔ کہ ایک حلقہ تلاوت اور دعا جیسے نیک کام میں مصروف ہے اور دوسرا قرآن مجید کی تعلیم حاصل کر رہا ہے۔

"میں صرف معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں" یہ فرماتے ہوئے حلقۂ درس میں بیٹھ گئے۔

علم انسانیت کی معراج، معرفتِ حق تعالیٰ کا زینہ، روحانی اور مادی ترقی کا سرچشمہ، دینی و دنیوی کمال کو اوجِ ثریا تک پہنچانے کا مؤثر ذریعہ۔ دنیا و عقبیٰ کی ظفر یابی و کامرانی کا موجب۔ تہذیب و ثقافت کی روحِ رواں۔ انسانی دل و دماغ کی تعمیر اور ذہنی قوتوں کی نشو و نما کا واحد ذریعہ ہے۔ اقوام و ملل کی تہذیبی، ثقافتی، تمدنی، اقتصادی اور معاشی ترقی علم ہی کی رہین منت ہے۔ انسان کی تشکیل و تعمیر، انسانی افکار و نظریات، روحانی اور ثقافتی قدروں کا تحفظ علم ہی کا کرشمہ ہے۔

تعلیم و تعلم کی اہمیت اور ضرورت تخلیق اور تعلیم آدم علیہ السلام سے روزِ روشن کی طرح عیاں ہے۔ جنہیں پیدائش کے فوراً بعد اللہ تعالیٰ نے تعلیم کی لازوال نعمت سے سرفراز فرما دیا۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

وَعَلَّمَ آدَمَ الْاَسْمَاءَ كُلَّهَا اور آدم علیہ السلام کو ہر چیز کے نام سکھا دیئے۔

بعد میں جب زمین کے مختلف مقامات پر انسانی آبادیاں قائم ہوئیں تو ان کی تعلیم و تربیت کے لئے وقتاً فوقتاً ایک لاکھ چوبیس ہزار معلمین کا انتظام کیا گیا۔ جنہوں نے اس کام کے نقطۂ آغاز سے نقطۂ انتہا تک علم و دانش کی ترویج و ترقی پر

اپنی تمام تر صلاحیتوں کو صرف کیا۔ اس جماعت کے آخری فرد فرید معلم اعظم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی نبوت کی اس بنیادی غرض و غایت یعنی تعلیم و تربیت کی اہمیت پر ان الفاظ میں مہر تصدیق ثبت فرمائی۔

انما بعثت معلماً ۔ میں معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

بعثت لاتمم مکارم الاخلاق ۔ میرے بھیجنے کا مقصد ہی تکمیل اخلاق ہے۔

اللہ جل شانہ نے تخلیق کائنات میں سب سے پہلے قلم پیدا فرمایا۔ تاکہ تعلیم کی اہمیت آشکارا ہو جائے۔ لوح و قلم کی [illegible] مناسبت نے انسانی اذہان کو حصول تعلیم پر مستعد بنا دیا۔

تاریخ ایسے تاریک ادوار سے بھی گذری جن میں جہالت کے گھٹا ٹوپ بادل ساری دنیا پر سایہ فگن تھے۔ اشرف المخلوقات انسان علم کی عظمت سے محروم اور نورِ عرفاں سے بے مایہ تھا۔ تاہم معاشرتی، تمدنی اور ثقافتی ضروریات کو پورا کرنے کی خاطر کہیں کہیں علم دوست بھی پائے جاتے تھے جو ٹمٹماتے ہوئے چراغ سحری کی طرح اجالے کی کرنیں بکھیرنے میں مصروف تھے۔

قدیم زمانہ میں مرامر بن مرّہ، اسلم بن سدرہ اور عامر بن جدرہ نے اپنی مشترکہ کوششوں سے سریانی زبان سے عربی خط ایجاد کیا۔ ان سے "انبار" کے کچھ لوگوں نے یہ فن حاصل کیا۔ پھر اہل انبار سے "اہل حیرہ" نے سیکھ لیا اور دومۃ الجندل کے حاکم اکیدر کے بھائی بشر بن عبدالملک بن عبدالجنّ الکندی نے قیام حیرہ کے دوران عربی رسم الخط سیکھ لیا۔ موصوف کو کسی ضرورت سے مکہ مکرمہ جانا پڑا۔ جہاں اس سے سفیان بن امیہ بن عبدالشمس اور ابوقیس بن عبد مناف بن زہرہ بن کلاب نے لکھنا سیکھا۔ ان دونوں کی خواہش پر اس نے پہلے ہجاء سے آگاہ کیا اور پھر رسم الخط بتایا اور وہ لکھنے لگے۔

البتہ قدیم زمانہ میں طرز تحریر دور حاضر سے بے حد مختلف تھا۔ وہ طرز تحریر الفاظ کی بناوٹ، نقاط کا اہتمام اور اعراب سے با[illegible] نقطے لکھنے والا صرف حروف لکھنے پر اکتفا کرتا تھا۔ لیکن پڑھنے والے اس طرز تحریر کے ایسے عادی اور ماہر تھے کہ بغیر نقطوں کے تحریر بڑی روانی سے پڑھ لیتے اور کسی قسم کی دشواری محسوس نہ کرتے تھے۔ بلکہ محض سیاق و سباق کے قرینہ سے مشتبہ حروف میں امتیاز بھی سہولت سے کر لیتے تھے۔ انہیں اعراب کا اہتمام تو کجا نقطے ڈالنا بھی گوارا نہ تھا اور اسے علمی اعتبار سے کسر شان سمجھتے تھے جیسا کہ مورخ مدائنی ایک ادیب کا قول نقل کرتے ہیں۔

كثرة النقط فى الكتاب سوء ظن بالمكتوب اليه

خط میں کثرت سے نقطے ڈالنا مکتوب الیہ سے بدگمانی کے مترادف ہے۔

زمانۂ جاہلیت میں بھی مکہ مکرمہ اور اہل عرب میں زبان کی نزاکت، لغات و محاورات کی کثرت، قواعد صرف و نحو کا استحکام اور انتہائی بلند معیار منظوم ذخیرہ ان کے علمی ذوق کی ترجمانی کرتا ہے۔ علاوہ ازیں لکھنے پڑھنے کی چیزوں کے علمی نام اس قدر شہرت پذیر تھے کہ قرآن مجید نے بھی ان سے اپنے اوراق کو مزین کیا ہے جیسا کہ

وَرَق ۔ قَرَاطِیس کاغذ کے لئے ۔ قَلَم، نُون دوات کے لئے ۔ مِدَاد، سیاہی ۔ لَوح ۔ تختی ۔ سَفَرَۃ

کاتب، لکھنے والے۔ نَستَنسِخ، مَرقُوم۔ مَسطُور۔ مُستَطر۔ مَکتُوب، تَخُطُّہ، تُملی، یُملِلُ وغیرہ
یہ سب لکھنے کے معنی میں جو مختلف افعال پائے جاتے ہیں۔ ان کے صیغے ہیں۔

غرض یہ الفاظ اور ان کے مماثل بنیادوں پر زمانہ اسلام کے عربوں نے علوم و فنون کی ایسی پرشکوہ عمارتیں کھڑی کیں جن پر پورے کرۂ ارضی کی علمی دنیا کو بجا طور پر فخر ہے۔

ورقہ بن نوفل کی علمی حیثیت اس بات سے آشکارا ہوتی ہے کہ انہوں نے زمانۂ جاہلیت میں تورات اور انجیل کا عبرانی زبان سے عربی زبان میں ترجمہ کیا۔ ان کا یہ ایسا علمی شاہکار تھا جس سے نہ صرف ان کی عربی زبان میں مہارت کا پتہ چلتا ہے بلکہ دوسری زبانوں میں بھی ان کی کامل دسترس کا ثبوت فراہم ہوتا ہے۔ اور یہ بھی اہل مکہ ہی کا کمال تھا کہ انہوں نے سب سے پہلے عربی زبان کو ایک تحریری زبان کی حیثیت عطا کی۔

سفیان بن امیہ اور ابو قیس بن عبد مناف کی مشترکہ کوششوں سے جو گلشن علم و حکمت معرض وجود میں آیا تھا مکہ مکرمہ کے اہل قلم نے اس کی آبیاری کی۔ اور اس کی سطحی نگہتوں کو نبی امی معلم انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے نکھارا اور اپنے خون سے سینچا اور شبانہ روز جدوجہد سے اسے پروان چڑھایا۔

یونہی مدینہ منورہ میں معلم انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے بھی یہود میں تعلیم و تعلم کا سلسلہ تھا۔ تعلیمی درسگاہیں قائم تھیں۔ جن میں تورات کی تعلیم کے علاوہ لکھنے پڑھنے کی تربیت کا انتظام تھا لیکن تعلیمی رجحان عام نہ ہونے کی وجہ سے بہت کم لوگ تعلیم یافتہ تھے۔ اسلام کے ابتدائی زمانہ میں حسب ذیل حضرات کے نام قابل ذکر ہیں۔

سعد بن عبادہ۔ منذر بن عمرو۔ ابی بن کعب۔ زید بن ثابت۔ رافع بن مالک۔ اسید بن حضیر۔ معین بن عدی۔ بشیر بن سعد۔ سعد بن ربیع۔ اوس بن خولی اور عبداللہ بن ابی۔

البتہ اسلام کی تاریخ میں مدینہ منورہ نے ابتدا ہی سے ایک مستقل دار العلم کی حیثیت اختیار کر لی تھی جس سے نہ صرف جزیرۃ العرب فیض یاب ہوا۔ بلکہ علم کی نورانی شعاعوں سے ساری دنیا بقعہ نور بن گئی جس کی ابتدا اس طرح ہوئی کہ بیعت عقبہ اولیٰ کے بعد معلم انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعثت نبوی کے وقت مکہ مکرمہ میں معدودے چند افراد تعلیم یافتہ تھے جن کے اسماء حسب ذیل ہیں:-

۱۔ عمر بن خطاب۔ ۲۔ علی بن ابی طالب۔ ۳۔ عثمان بن عفان۔ ۴۔ ابو عبیدہ بن جراح۔ ۵۔ طلحہ۔ ۶۔ یزید بن ابی سفیان۔ ۷۔ ابو حذیفہ بن عتبہ۔ ۸۔ حاطب بن عمرو۔ ۹۔ ابو سلمہ بن عبد الاسد۔ ۱۰۔ ریان بن سعید۔ ۱۱۔ خالد بن سعید۔ ۱۲۔ عبداللہ بن سعد۔ ۱۳۔ حویطب بن عبد العزیٰ۔ ۱۴۔ ابو سفیان بن حرب بن امیہ۔ ۱۵۔ معاویہ بن ابو سفیان۔ ۱۶۔ جہیم بن الصلت ۱۷۔ العلاء الحضرمی۔ ۱۸۔ عامر بن فہیرہ۔ ۱۹۔ ورقہ بن نوفل اور عبد المطلب بن ہاشم۔

چند عورتیں بھی زیور تعلیم سے آراستہ تھیں۔ جیسا کہ

۱۔ شفا بنت عبداللہ العدویہ ۲۔ ام المومنین حضرت حفصہ بنت عمر فاروق ۳۔ ام کلثوم بن عقبہ ۴۔ عائشہ بنت سعد ۵۔ کریمہ بنت مقداد ۶۔ اور ام سلمہ۔

"قارئین کے لئے یہ واقعہ یقیناً تعجب انگیز اور حیرت انگیز ہوگا کہ اس زمانہ میں بھی لڑکوں اور لڑکیوں کے مدارس موجود تھے خواہ وہ کتنے ہی ابتدائی نوعیت کے ہوں لیکن تعلیمی شعور اور علمی ذوق کا نتیجہ تھا کہ لڑکوں کی تعلیم کی طرح لڑکیوں کی تعلیم کا احساس بھی پایا جاتا تھا۔ چنانچہ علامہ ابن قتیبہ لکھتے ہیں :۔

مکہ مکرمہ کے قریب قبیلہ ہذیل کی ایک مشہور فاحشہ عورت بچپن میں سکول جاتی تھی جہاں اس کا محبوب مشغلہ بچوں کی دواتوں میں قلم ڈالنا اور نکالنا تھا۔

زمانہ جاہلیت میں ابو سفیان بن حرب نے مکتب قائم کر رکھا تھا۔ قریش کے دیگر نامور لوگوں کے علاوہ سیدنا عمر بن خطاب نے بھی اس میں تعلیم حاصل کی تھی ؛

تعلیم حاصل کرنے کے ذرائع تین ہیں۔ ۱۔ وحی، یعنی انبیاء کے ذریعہ (۲) حواس (۳) عقل و فکر اور استنباط کے ذریعہ، ان تینوں کی حسن تکمیل کی خاطر خالق کائنات نے محسن کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو انسانی فکر و قیاس سے بالاتر علمی مراتب مرحمت فرمانے کی خاطر جائے پیدائش سے لے کر آپ کے ذاتی حالات تک ہر چیز اور ہر مرحلہ کچھ ایسی انوکھی نوعیت کا بنایا کہ کوئی انسان اپنی ذاتی کاوش اور ظاہری وسائل کے بل بوتے پر یہ کمال حاصل نہیں کر سکتا تھا۔ جائے پیدائش کے لئے عرب کا صحرا تجویز ہوا۔ جو متمدنی دنیا اور علم و حکمت کے مراکز سے بالکل الگ تھلگ تھا جس کے راستے اور ذرائع مواصلات ایسے دشوار گذار اور جاں گداز تھے کہ شام، عراق اور مصر جیسے ترقی یافتہ شہروں کے باشندوں کے ساتھ کوئی رابطہ نہ تھا۔

ایسے ماحول میں پیدا ہونے اور نشوونما پانے والے انسان سے علم و حکمت اور اخلاق فاضلہ عالیہ کے ظہور کا تصور کیسے ہو سکتا تھا۔ لیکن حق تعالیٰ نے آپؐ کو خلعت نبوت سے سرفراز فرمایا تو آپ کی زبان سے علم و دانش کا ایک ایسا لامتناہی سلسلہ شروع ہو گیا کہ پھر آپ کی فصاحت و بلاغت کے سامنے عرب کے بڑے بڑے نامور اور شہرۂ آفاق شعراء و بلغا عاجز ہو گئے۔

نبی امی فداہ ابی و امی صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے پہلا جو خدائی حکم ملا جس سے وحی خداوندی کا آغاز ہوا۔ وہ تعلیم و حکمت جیسے عظیم المرتبت موضوع پر مبنی تھا۔ کیونکہ تعلیم ہی معرفت الٰہی حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔ علاوہ ازیں علم ہی انسان کو دوسری ساری مخلوقات اور حیوانات سے ممتاز اور اشرف و اعلیٰ بناتا ہے۔ ارشاد ادلیں ہوتا ہے۔

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۝ اپنے رب کے نام سے پڑھ جس نے پیدا کیا۔ آدمی کو پیدا کیا۔

خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ جمے ہوئے لہو سے۔

اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۝ پڑھ اور تیرا رب بڑا کریم ہے۔

الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝ عَلَّمَ جس نے علم سکھایا قلم سے۔ آدمی کو وہ کچھ

الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝ سکھایا جو وہ نہ جانتا تھا

علم کی اہمیت | پڑھنے کے حکم کے ساتھ ہی اس کے لوازمات کا ذکر اس کی اہمیت کو اُجاگر کرتا ہے یعنی قلم ہی علم کا واسطہ ہے۔ جو انسانی تہذیب و تمدن کا ضامن ہے۔ چونکہ علم حاصل کرنے کی عام طور پر دو ہی صورتیں ہیں۔ ایک زبانی اور دوسری بذریعۂ قلم تحریر و کتابت کی صورت میں، اس لئے اولیں طور پر ان دونوں کا ذکر کیا گیا۔ اِقْرَاْ سے زبانی تعلیم کی ترغیب اور عَلَّمَ بِالْقَلَمِ سے تحریر و کتابت کی اہمیت کو واضح کر دیا۔

حضرت قتادہ رحمۃ اللہ کا فرمان ہے کہ قلم اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے اگر قلم نہ ہوتا تو نہ کوئی دین قائم رہتا اور نہ ہی دنیا کے کاروبار درست ہوتے۔

سیدنا علی المرتضےٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

اللہ رب العزت کا یہ بہت بڑا احسان ہے کہ اس نے اپنے بندوں کو ان چیزوں کا علم دیا جنہیں وہ نہیں جانتے تھے۔ انہیں جہالت کے اندھیروں سے نکال کر نورِ علم سے بہرہ یاب فرمایا اور علم و کتابت کی ترغیب دی۔ کیونکہ اس میں بے شمار منافع ہیں جن کا اللہ کے سوا کوئی احاطہ نہیں کر سکتا۔

تمام علوم و حکم کی تدوین اور اولین و آخرین کی تاریخ، ان کے حالات و مقالات اور اللہ کریم کی نازل کردہ کتابیں، سب قلم ہی کے ذریعہ معرضِ وجود میں آئیں۔ (یعنی لکھی گئیں) اور رہتی دنیا تک باقی رہیں گی۔ اگر قلم نہ ہوتا تو دین و دنیا کے سارے کام مختل ہو جاتے۔

علم کی فضیلت | اسی لئے معلمِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے علم و قلم کی برکات اور فیوضات سے مستفید و مستفیض ہونے کی تاکید فرمائی۔ ارشاد ہوتا ہے:۔

طلب العلم فريضة علم حاصل کرنا فرض ہے۔

من يرد الله به خيرا يفقهه في الدين اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے اسے دین کی معرفت سے نوازتا ہے

آپ نے ارشاد فرمایا

العلماء خلفاء الانبياء علماء انبیاء کے خلفاء ہیں۔

ایک روایت میں ہے :۔

العالم والمتعلم شریکان فی الاجر عالم اور طالب علم دونوں اجر میں شریک ہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :۔

عالم زمین پر خدا کا امین ہے، نیز فرمایا علما بارانِ رحمت ہیں جہاں بھی ہوں گے نفع پہنچائیں گے۔

معلم انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

جو شخص علم حاصل کرنے کے لئے سفر کرتا ہے اللہ پاک اس کے لئے جنت کا راستہ آسان بنا دیتا ہے اگر کوئی قوم کسی مسجد میں تلاوت قرآن مجید اور تعلیم و تعلم کے لئے جمع ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ ان پر سکینت نازل کرتا ہے۔ اللہ کی رحمت انہیں ڈھانپ لیتی ہے اور فرشتے ان پر اپنے پَر بچھا لیتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ ان کا ذکر بڑے فخر کے ساتھ فرشتوں میں کرتے ہیں۔

ایک روایت میں ہے۔

مثل العلماء فی الارض کمثل النجوم فی السماء جس طرح آسمان میں ستارے چمک رہے ہیں زمین میں علما کی مثال بھی درخشندہ ستاروں کی سی ہے۔

ہجرت مدینہ کے بعد معلم انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے علم و ادب کی نشر و اشاعت اور خواندگی کو عام کرنے کے لئے بھرپور کوشش فرمائی۔ تعلیم و تعلم کے مختلف طریقے اپنا کر تقریباً ہر فرد کو زیورِ تعلیم سے آراستہ کر دیا۔ اس شعبہ کو ترقی کے درجہ کمال تک پہنچانے کے لئے متعدد انتظامات بروئے کار لائے۔ اسی سلسلۃ الذہب کی ایک کڑی یہ بھی تھی کہ علوم و فنون کے ماہر اساتذہ تعلیمی خدمات پر تعینات کئے۔ دوسرے شہروں سے ماہرین کو طلب کیا۔ جو قرآن و حدیث اور فقہی مسائل کی تعلیم و تدریس میں ہمہ وقت مشغول و مصروف رہتے تھے۔ آپؐ کے فیضانِ نظر اور معلمین، مدرسین اور مبلغین کی مخلصانہ جدوجہد سے تھوڑے ہی دنوں میں سرزمین عرب کا جہالت کدہ، علوم و فنون کا گہوارہ بن گیا۔ اور انہی عربوں کی شاگردی ایشیا، افریقہ اور یورپ تک نے اختیار کر لی۔

نوشت و خواند کی اہمیت کو اجاگر کرنے کے لئے آپ نے ارشاد فرمایا۔

قیّدوا العلم بالکتاب علم کو لکھائی کے ذریعہ محفوظ کرو۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک آدمی حاضر ہوا۔ اور حافظہ کمزور ہونے کی شکایت کی۔ آپؐ نے فرمایا :۔

"استعن بیمینک" دائیں ہاتھ سے مدد لو۔ یعنی لکھ کر علم کو محفوظ کر لو

اسی بنا پر قرآن مجید پڑھنے اور حفظ کرنے کے علاوہ دیگر دینی علوم کے ساتھ تحریر و کتابت اور املا بھی نصاب تعلیم میں شامل تھی۔ سیدنا عبداللہ بن سعید بن العاص زمانہ جاہلیت سے خوش نویسی میں مشہور تھے اور "الکاتب" کے لقب سے شہرت پذیر تھے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں کتابت اور املا سکھانے پر مامور فرمایا۔

اسی طرح سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عربی کے مشہور خوش نویس اور "الکامل" کے نام سے یاد کئے جاتے تھے انہیں بھی مسلمانوں کی تعلیمی خدمت انجام دینے پر تعینات فرمایا۔

عرب میں "الکامل" اس شخص کو اعزازی طور پر کہا جاتا تھا جو لکھائی میں مہارت کے علاوہ تیر اندازی اور پیراکی میں بھی ماہر ہوتا تھا۔ سیدنا سعد بن عبادہ بھی ان اوصاف سے متصف تھے۔

سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی قرآنی تعلیمات کے علاوہ تحریر و کتابت سکھانے کی خدمت سپرد کی گئی تھی۔

سیدنا زید بن ثابت الانصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتب وحی تھے اور مسلمانوں کو بھی فن کتابت سکھاتے تھے۔ موصوف قراۃ، فرائض اور فقہ میں بھی مہارت کاملہ کے مالک تھے۔

جو لوگ علم حاصل کرنے آتے ان کی بھرپور حوصلہ افزائی کی جاتی۔ آنے والوں کو خندہ پیشانی سے خوش آمدید کہا جاتا اور بڑے جوش و جذبہ سے ان کا پُر طپاق خیر مقدم کیا جاتا تھا۔ سیدنا صفوان بن عسال المرادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ جب کہ آپؐ مسجد نبوی میں سرخ چادر اوڑھے تکیہ لگائے بیٹھے تھے۔ میں نے عرض کیا:۔

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم — یا رسول اللہ علم حاصل کرنے کے لئے حاضر

انّی جئت اطلب العلم — ہوا ہوں۔

فقال مرحبا بطالب العلم — حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے خوش آمدید کہا

اور ارشاد فرمایا کہ طالب علم کو فرشتے اپنے پَروں سے ڈھانپ لیتے ہیں پھر خوشی اور محبت سے ایک دوسرے فرشتے کے اوپر چڑھتے چڑھتے آسمان دنیا تک پہنچ جاتے ہیں۔

انصار کے ہر گھر نے تعلیمی درسگاہ کی حیثیت اختیار کر لی تھی جہاں شب و روز قرآن و حدیث کے پڑھنے پڑھانے کی روح پرور آوازیں آتی تھیں۔ ایک بزرگ کا ارشاد ہے کہ میں نے علم کا ذخیرہ سب سے زیادہ

انصار سے حاصل کیا تھا۔

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی خدمت میں لوگ دور دراز علاقوں سے علم دین حاصل کرنے کے لئے مدینہ منورہ آتے تھے۔ جن کا صحابہ نہایت فراخ دلی سے خیر مقدم کرتے۔ جیسا کہ سیدنا ابو ہرون عبدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں۔ کہ ہم لوگ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے بڑے ادب و احترام اور خوشی سے مرحبا کہا۔ اور فرمایا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ تمہارے پاس لوگ دنیا کے گوشے کونے سے علم حاصل کرنے آئیں گے۔ لہٰذا جب وہ آئیں تو تم ان کا خیر مقدم کرنا۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ہے کہ عنقریب علم دین حاصل کرنے کے لوگ اونٹوں کے کلیجے فنا کر دیں گے مگر انہیں کہیں بھی جید اور مستند عالم نہ ملے گا۔ بالآخر وہ اپنی علمی پیاس بجھانے کے لئے مدینہ منورہ کے علماء کی خدمت میں حاضر ہوں گے۔

سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ لوگ مشرق اور مغرب سے علم کی طلب میں نکلیں گے۔ مگر وہ مدینہ منورہ کے علماء سے زیادہ علم والا کہیں بھی کسی کو نہیں پائیں گے یا اس طرح فرمایا کہ اہل مدینہ سے زیادہ علم والا کسی کو نہیں پائیں گے۔

حضور اقدس صلی اللہ نے فرمایا:۔

الناس تبع لکم یا اھل المدینۃ فی العلم ۔ اے اہل مدینہ لوگ علم میں تمہاری اتباع کریں گے

حضرت ابو العالیہ کہتے ہیں کہ ہم لوگ بصرہ میں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی مرویات سنتے تھے لیکن اس پر پوری طرح تشفی نہ ہوتی۔ اس لئے ہم خود مدینہ منورہ میں حاضر ہو کر صحابہ کی زبانی احادیث سنتے تھے۔

جن لوگوں کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے معلم و مدرس کی حیثیت سے تعینات فرمایا تھا ان میں سیدنا ابو حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے۔ مدینہ میں طلب کیا تاکہ لوگوں کو تحریر و کتابت کا فن سکھائیں

اس شعبہ میں سیدنا ابو رافع مولیٰ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی مامور تھے جو املا کراتے اور طلباء ان کے پاس بیٹھ کر مشق کرتے تھے۔ معروف اساتذہ میں سیدنا سعد بن ربیع الخزرجی سیدنا بشیر بن سعد بن ثعلبہ، سیدنا ابان بن سعید بن العاص شامل تھے۔ جب کہ بشر بن سعد زمانہ جاہلیت سے عربی لکھنا جانتے تھے۔

علاوہ ازیں عہد اسلام میں حسب ذیل اساتذہ بھی تعلیمی خدمات انجام دیتے رہے ہیں:

الضحاک بن مزاحم، عامر الشعبی، باذام مولیٰ ام ہانی۔ ابوعبدالرحمٰن السلمی اور عبداللہ بن حبیب حضرات حسنین کریمین کے اساتذہ میں سے تھے اور عبداللہ بن حارث وغیرہ۔

زمانہ جاہلیت کے معلمین کے نام حسب ذیل ہیں:۔

بشر بن عبدالملک السکونی۔ سفیان بن امیہ بن عبد الشمس۔ ابوقیس بن عبدمناف بن زہرہ۔ غیلان بن سلمہ بن معتب الثقفی۔ عمرو بن زرارہ بن عدس بن زید کاتب کے لقب سے شہرت رکھتے تھے۔

کبھی کبھار تدریس کی خدمت مہاجرین کو بھی سونپی جاتی تھی کہ انصار کو تعلیم دیں۔ جیسا کہ سیدنا وردان رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب طائف سے آئے تو سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ریان بن سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سپرد کیا کہ ان کے مصارف کا بار اٹھائیں اور قرآن مجید کی تعلیم حاصل کریں۔

لکھائی کے لئے قلم دوات اور تختی استعمال کرنے کا رواج تھا۔ ایک دفعہ فخر دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کچھ لکھانے کے لئے طلب فرمایا تو وہ قلم دوات اور تختی لے کر حاضر خدمت ہو گئے۔

سیدہ ام درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہا تختی پر لکھنے کی مشق کرتی تھیں اور تختی پر لکھنا سکھاتی تھیں۔

طلباء کے لئے نظام الاوقات مقرر تھا جس کی پابندی ضروری تھی۔ طلباء کی مرضی پر آنا جانا نہیں تھا بلکہ اساتذہ نے جو اوقات مقرر کر رکھے تھے ان میں پڑھنا اور باہم مذاکرہ (تکرار) کرنا لازمی تھا۔ تعلیم کے اوقات عموماً نماز فجر کے بعد چاشت تک یا ظہر اور طلبا تعلیم شروع ہونے سے پہلے جماعتوں میں پہنچ جاتے اور اپنی اپنی مخصوص جگہ پر بیٹھ جاتے اگر کوئی طالب علم سبق میں حاضر نہ ہوتا تو اساتذہ اس سے باز پرس کرتے اور غیر حاضری کا سبب دریافت کرتے۔

نصاب تعلیم | نصاب تعلیم کی تفصیلات بیان کرنا بے حد دشوار ہے البتہ مختلف روایات سے اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ بعض مخصوص اساتذہ کے پاس مخصوص فنون اور کتب کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے بھی لوگ جاتے تھے۔ کیونکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید و حدیث شریف اور دین کے ضروری مسائل کی تعلیم حاصل کرنے کے علاوہ بہت سے علوم و فنون کی تعلیم و تربیت کا حکم دے رکھا تھا جن میں علم تجوید[1]، علم انساب[2]، علم ہیئت[3]، علم طب[4]، علم الفرائض[5] یعنی وراثت کے احکام، پیراکی[6]، نشانہ بازی[7] اور فن کتابت[8] وغیرہ شامل تھے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

تعلموا انسابکم ما تصلون بہ ارحامکم۔ ایک روایت میں ہے کہ سلسلہ نسب کا علم حاصل کرو تاکہ تمہارے درمیان محبت بڑھے۔

تاثرات، معروف صحافی نیڈا کے سلہری

شریعت بل؛ اسلامی انقلاب کی جانب ٹھوس قدم

مغرب پرست اور "ترقی پسند" (ترقی پسندوں کو اب داوین کے بارے میں ہی مقید کرنا پڑتا ہے کہ جس ردی نظریاتی حوالے سے وہ اپنے آپ کو بڑے افتخار سے ترقی پسند کہتے تھے وہ حوالہ اب زنگ آلود اور فرسودہ ہو چکا ہے) طبقوں کا سینٹ میں متفقہ طور پر شریعت بل پاس ہو جانے سے بوکھلانا تو متوقع تھا ہی لیکن معاشرے میں ان منافقوں کی حالت پریشانی دیدنی ہے جو بظاہر ہمہ وقت اسلام کا نام جپتے تھے اور اس کے نفاذ کی دعائیں کرتے تھے لیکن دل سے چاہتے تھے کہ حالات حسب سابق چلتے رہیں۔ دراصل ان سب لوگوں کا خیال تھا کہ اگر بیالیس سال بخیریت گزر گئے اور ان میں شریعت کے عملی جامہ پہننے کا خواب شرمندہ تعبیر نہ ہوا تو وہ اب کیونکر ہو سکتا ہے جبکہ از سر نو جمہوریت رائج ہے اور ایک روشن خیال' سیکولرازم اور سوشلزم کی علمبردار سیاسی قیادت برسر اقتدار ہے اور پھر یہ شریعت بل 85ء میں جونیجو صاحب کی وزارت عظمیٰ کے دور میں پیش ہوا تھا۔ ان کے زمانے میں پاس نہ ہوا تو اب کیسے پاس ہو جائے گا۔ اس پیشرفت کا کچھ تجزیہ کرنے کی ضرورت ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ شہید صدر ضیاء الحق کی "باقیات" میں سے ایک بہت قیمتی اثاثہ وہ اسلامی فضا تھی جو ایوبی دور میں جن کی ابتدا 56ء کے دستور کی منسوخی سے ہوئی تحلیل ہونی شروع ہو گئی تھی۔ بھٹو دور میں تو مسلم قومیت کی شکست و ریخت کے ساتھ (جس کی بنا پر ملک دولخت ہوا) اسلامی عصبیت بھی غائب ہو گئی اب سیکولرازم اور سوشلزم کے نظریات کا راج تھا اور اسلام کو ایک کونے میں دھکیل کر "دین" یعنی چرچ کا غیر فعال کردار دے دیا گیا تھا۔ بھٹو کے خلاف نظام مصطفیٰ کے نفاذ کی تحریک بلاوجہ نہ چلی تھی' وہ بھٹوازم کے خلاف عوامی بغاوت کا مظہر تھی۔ اس طرح 58ء سے 77ء تک اسلام کم و بیش نظر انداز رہا اور کسی جانبدار تحریک یا پالیسی کا مرکز و محور نہ رہا لیکن جب جنرل ضیاء الحق نے ملک کو خانہ جنگی سے بچانے کے لئے حکومت کی کمان سنبھالی تو انہوں نے تحریک نظام مصطفیٰ کو حقیقت ثابتہ بنانے کا بیڑہ اٹھایا۔ مجھے یاد ہے کہ جب مارشل لاء کے نفاذ کے کچھ ہی دنوں بعد مجھے انہوں نے ملاقات کے لئے راولپنڈی بلایا اور میں عصر کے بعد وقت مقررہ پر ان کی رہائش گاہ آرمی ہاؤس گیا تو وہ لان میں بیٹھے چند اصحاب سے نظام اسلام کے نفاذ کے متعلق باتیں کر رہے تھے۔ میرے پہنچنے پر تھوڑی دیر بعد انہوں نے اپنے ملاقاتیوں کو رخصت کرتے ہوئے کہا "میں اسلام کا ایسا کلا ٹھوک کے جاؤں گا کہ اسے کوئی ہلا نہ سکے گا" نظام اسلام کے نفاذ کے لئے انہوں نے بہت کوششیں کیں' بہت سے تعلیمات اسلامی کے ادارے قائم کئے' بہت سے علماء سے مشورے کئے لیکن مکاتب فکر کے اختلافات ان کے آڑے آئے پھر بھی انہوں نے زکوٰۃ کے نظام کی بنا رکھی' حدود آرڈیننس جاری کیا' سود کے امتناع کی کوشش کی لیکن سود کا امتناع کسی ایک مسلم ملک کے بس کی بات نہیں تھا یہ بین الاقوامی مغربی اقتصادی نظام کا جزو لاینفک ہے اور جب تک مغرب کے اقتصادی نظام سے آزاد بین الاقوامی اقتصادی نظام رائج نہیں ہو جاتا اس سے چھٹکارہ ناممکن ہے اگر آپ مغربی ملکوں سے قرض لیتے رہیں گے (آئی ایم ایف کے قرض کے بغیر آپ کا بجٹ نہیں بن سکتا) اور انہیں سود دیتے رہیں گے تو آپ قرآنی فرمان پر عمل نہیں کر سکتے۔ بایں ہمہ اس جہت میں صدر ضیاء الحق کی کوشش ان کے خلوص کی نشاندہی کرتی ہے اسی طرح انہوں نے نظام صلوٰۃ کو ترویج دی اور لوگوں نے سیکرٹریٹ میں بھی باقاعدہ باجماعت نماز پڑھنی شروع کر دی۔ صدر کی اسلامی ذہنیت کا سرکاری ذرائع ابلاغ خاص طور پر ٹیلی ویژن پر بھی اثر پڑنے لگا اور معاشرے میں نماز' روزے' عمرے' حج کے ساتھ اسلامی فکر کے نئے سوتے پھوٹنے لگے۔ مختصراً صدر کی پیروی میں اسلام ہماری روزمرہ کی زندگی میں ایک

موثر عامل کی طرح سرایت کر گیا ہے پچھلے قریب دو عشروں کی
طرح پس پشت نہ ڈالا گیا' ضیاء دور کے اسلامی ماحول کا اگر کچھ
نقش ایوب' یحییٰ اور بھٹو کے ادوار کے پس منظر سے ابھر کر ہوتا
ہے تو اس کا گہرا احساس جینئیر دوست ہوتا ہے جس میں تسبیح
بھی ہے' عمرہ بھی ہے' پیروں کے مزاروں پر چادریں چڑھانے
کی رسم بھی جاری ہے لیکن معاشرتی فضا ہے کہ اسلامیت سے
معرّا اور مغربیت سے مملو ہوتی جا رہی ہے اور یہ اسی نظر و فکر کا اثر
ہے کہ سینٹ میں شریعت بل پاس ہوتے ہی حکومت کے دو
جغادری وزراء نے قومی اسمبلی میں اس کی مخالفت کرنے کا
دوٹوک اعلان کر دیا' سو معلوم ہو گیا کہ عوام کی خوشنودی کے
لئے اسلام کا نام لینا ایک چیز ہے اور اسلام کے قوانین کو ماننا
دوسری چیز اور اصل شے تو عمل ہے نا کہ دکھاوا' تو آپ دیکھیں
گے کہ شریعت بل نے فرقان کی ممتاز حیثیت حاصل کر لی اور
عوام نے ضیاء اور موجودہ دور میں اسلامی اقدار کے متعلق بین
فرق کو محسوس کیا۔ عوامی ردعمل کی مدد اور مظاہرے سے
سینٹ بھی متاثر ہوا اور اس نے شریعت بل پاس کر دیا پھر بھی
آپ پوچھیں گے کہ یہ بل تو صدر ضیاء الحق کے زمانے 85ء
میں سینٹ کے سامنے پیش کیا گیا تھا اسے پاس ہونے میں اتنا
وقت کیوں لگا؟ تو اس کی وجہ سن لیجئے بے شک 85ء میں جنرل
ضیاء الحق صدر مملکت تھے لیکن ملک میں غیر جماعتی انتخابات
کے ذریعے جمہوریت آ چکی تھی اور محمد خان جونیجو وزیر اعظم بن
گئے تھے' جونیجو صاحب وزیر اعظم تو بن گئے تھے لیکن تھے صدر
ضیاء الحق کے نامزد اور انہیں یہ احساس کھائے جا رہا تھا کہ صدر
کے مقابلے میں ان کی پوزیشن کمزور ہے۔ سو اپنی پوزیشن کو
مضبوط بنانے کے لئے انہوں نے تین اقدامات کئے' ایک تو
پارلیمنٹ کے ارکان کو رام کرنے کے لئے انہوں نے ترقیاتی
سکیم کے نام پر فی کس پچاس لاکھ کا بھتہ مقرر کیا' دوسرے
انہوں نے مسلم لیگ پارلیمینٹری پارٹی بنا کر نہ صرف ہاؤس کو غیر
ضروری طور پر دو ٹکڑوں میں بانٹا (چونکہ تمام ارکان نے جونیجو
صاحب کی نامزدگی کی توثیق کی تھی تبھی ان کی حمایت کو تیار
تھے) بلکہ غیر جماعتی انتخابات کی روح کو مجروح کیا اور ایک غیر
جماعتی اسمبلی کو جماعتی اسمبلی میں تبدیل کر دیا۔ تیسرے
انہوں نے فلور کراسنگ کے خلاف اسمبلی سے ایک قانون پاس
کرایا جس کی رو سے پارلیمنٹ کی اکثریت ان کے احکامات کی
تابع ہو کر رہ گئی (یہ کہ اس عمل سے ملک میں مسلم لیگ کی
ٹوٹ پھوٹ کا سامان ہوا' اس کے علاوہ ہے) اس طرح
جونیجو صدر ضیاء الحق کا مقابلہ کرنے کے تو قابل ہو گئے (اسی
طاقت کے بل بوتے پر انہوں نے صدر مملکت سے 87ء کے
بجٹ کی جو دو بار پیش ہوا' ایک بار وزیر کی طرف سے اور دوسری بار
جونیجو کی طرف سے جس میں جرنیلوں کو سوزوکی گاڑی استعمال
کرنے کا حکم صادر فرمایا گیا۔ دستوری منظوری لی گوارانہ کی'
نیز کابل میں بغیر عبوری حکومت بنانے کے اہتمام کے جنیوا
معاہدات پر دستخط کرنے میں تعجیل کی جس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ
افغانستان میں آج تک روسی افواج کے انخلاء کے بعد بھی
افغان مجاہدین کا خون بہہ رہا ہے) یوں جونیجو صاحب طاقت
سے تو مسلح ہو گئے لیکن انہوں نے کارہائے نمایاں کیا ادا کئے؟
اس وقت ایک ہی کارنامے کا ذکر درکار ہے جس کا تعلق
شریعت بل سے ہے' جونیجو صاحب نے سینٹ کے مسلم لیگ
ارکان کو شریعت بل میں غیر ضروری دلچسپی لینے اور "جلد
بازی" کرنے سے روکا اور اس طرح یہ معاملہ پانچ سال تک
کھٹائی میں پڑا رہا۔ موجودہ دور میں اس ضمن میں پیش رفت کا ایک
سبب ہے کہ نہ صرف حالیہ غیر اسلامی فضا میں گھٹن کا احساس
ہے بلکہ مسلم لیگ کے ارکان بھی جونیجو صاحب کے سحر سے
آزاد ہو گئے ہیں اور انہوں نے سینیٹرز قاضی عبداللطیف اور
مولانا سمیع الحق کی طرف جنہوں نے شریعت بل تیار کیا تھا
(ایں سعادت بزور بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ)
دست تعاون بڑھایا اور اس طرح وہ سینٹ میں متفقہ طور پر
پاس ہو گیا۔ یہاں ایک بات یہ بھی یاد رکھنے کے لائق ہے کہ
جونیجو حکومت کو ڈس مس کر کے سب سے پہلا جو کام شہید صدر
ضیاء الحق نے کیا تھا کہ وہ مختلف مکاتب فکر کے علماء کی مجلس
مشاورت کی تشکیل تھی جس کے ساتھ مسلسل کئی دن بیٹھ کر
انہوں نے شریعت آرڈیننس تیار کروایا تھا اور جسے موجودہ بل
کی تدوین میں پیش نظر رکھا گیا ہے۔

شریعت بل کے مخالفین کے رنگا رنگ نکتہ ہائے نظر ہیں
بائیں بازو والوں پر تو واقعی قیامت ٹوٹ پڑی' ان کے نزدیک تو
یہ بل وڈیروں اور ملاؤں میں جوڑ توڑ کا نتیجہ ہے۔ اس سے نہ
صرف جاگیرداری نظام کو فروغ ملے گا بلکہ گماشتہ سرمایہ داروں
کو مضبوطی حاصل ہو گی (حالانکہ قرآن زمین کو اللہ کی ملکیت
قرار دیتا ہے (الارض للہ) اور ارتکاز دولت کا شدید مخالف
ہے) صنعتیں نجی ملکیتوں میں چلی جائیں گی (معلوم ہوتا
ہے کہ ابھی تک پاکستانی کیمونسٹوں اور سوشلسٹوں کو یہ
خبر نہیں پہنچی کہ روس کے کرتا دھرتا صدر گورباچوف اپنی

سلطنت میں آزاد مارکیٹ اکانومی (معاشیات) کے فروغ کے درپے ہیں اور انہوں نے اس کے اجراء کے لئے ملک میں ریفرنڈم کا حکم بھی دے دیا ہے جس کی رو سے اور تو اور روٹی کی قیمت کم از کم تین گنا ہو جائے گی نیز اگر انہیں کوئی خریدنے والے ملیں (ایسے خریدار امریکہ، مغربی جرمنی اور جاپان سے ہی دستیاب ہو سکتے ہیں) تو وہ حکومت کی تحویل میں تمام کارخانے ان سرمایہ داروں کے ہاتھ بیچ ڈالیں۔ یہ حشر ہوا ہے صنعتوں کے قومیانے کا کہ سیاسی آزادی کی سانس ملتے ہی راتوں رات مشرقی یورپ کی کمیونسٹ حکومتوں کے تخت ہی نہ الٹ گئے بلکہ ہر پایہ تخت میں مارکسٹ لٹریچر جلا یا گیا اور لینن کے نصب شدہ بتوں کو پاش پاش کیا گیا۔ اگر کہیں یہی آزادی سوویت یونین کے عوام کو نصیب ہو جاتی تو اس کے بھی ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتے اسی ڈر سے گورباچوف نے برائے نام کمیونسٹ پارٹی کو اقتدار اعلیٰ کی اجارہ داری کے مقام سے تو ہٹایا لیکن عام انتخابات نہ کرائے کہ کوئی اور پارٹی نہ ابھر آئے یا ملکتیں مرکز سے بغاوت نہ کر جائیں بلکہ اسی کمیونسٹ پارٹی سے اپنی طرف تمام آمریت (اختیارات کے اعتبار سے زار روس تو گورباچوف کے سامنے صوبائی اہلکار نظر آتا ہے) پر مہر تصدیق ثبت کروائی لیکن مجھے نظر نہیں آتا کہ گورباچوف کی آمریت بھی روس کی گہری اقتصادی بدحالی اور نظریاتی بے بصری سے عہدہ برا ہو سکے کیونکہ اختیارات کے اثر و نفوذ کی بھی حد ہوتی ہے۔ طاقت اختیارات سے نہیں مقبولیت عامہ سے حاصل ہوتی ہے' کتنے ڈکٹیٹر اور سولینی آمر آئے اور عوامی مخالفت کے سامنے عاجز آ گئے' جگ موہن کے پاس کتنے وسیع مردم کش اختیارات تھے لیکن کیا وہ کشمیر کی جنگ حریت پر قابو پا سکا؟ (قابو کیا پاتا وہ اپنی گردن بچانے کو منتقل ہو گیا) ہمارے بائیں بازو والوں کو یہ مشکل ہے کہ وہ روس کے وفادار ہیں یا ہندوستان کے طرف دار' نہیں ہوئے تو پاکستان کے نہیں ہوئے۔ اسی لئے ایک بار مجھے فیض کی مدح میں لکھنا پڑا "فیض بڑا شاعر ہے' کاش کہ وہ میرے ملک کا شاعر ہوتا" اسے پاکستان کا ظہور "یہ داغ داغ اجالا' یہ شب گزیدہ سحر" کے سوا کچھ نظر نہ آیا اسے نظر نہ آیا کہ وہ اسلامی نشاۃ ثانیہ کی تمہید ہے' ان لوگوں کی دانست میں اسلام کی درخشاں تاریخ و تہذیب 'ظلم و جہل' جارحیت اور بہیمیت سے عبارت ہے کیا تعجب کہ وہ آج مغرب کی اسلامی بنیاد پرستی تحریک کے دست راست ہیں اور شیطانی آیات کا مصنف رشدی ان کا سرخیل ہے۔ قرآن معاصر

سے کیا شکایت کہ وہ شریعت بل کے آئینے میں ملاؤں کا راج' سرمایہ داروں کا عروج' عورت کی پستی' تعلیم و سائنس کی گراوٹ اور معاشرے کی زبوں حالی اور رجعت قہقری کی تصویر دیکھتے ہیں۔

وہ یہ دیکھنے سے قاصر ہیں کہ یہ بل ان قوانین سے اخذ اور مستنیر ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے انسانی ضابطہ حیات کے لئے متعین فرمایا ہے اور جن میں انسانی مصلحت (اکثریت اور اقلیت) کا کوئی عمل دخل نہیں' جو مصلحتوں پر نافذ نہیں ہوئے' جو فطرت انسانی کی صحیح نشوونما کے لئے نازل کئے گئے ہیں پھر مخالفوں میں سے ایک طبقہ ایسا ہے جو اسلام کو مغربی انداز فکر میں دیکھتا ہے وہ اسے مسجد میں' تہذیب میں تو پہچانتا ہے لیکن بصورت قانون قبول کرنے کو تیار نہیں یہ تو پرانا ہے چودہ سو سال پہلے نازل ہوا تھا وہ دور حاضرہ میں کیونکر چل سکتا ہے؟ کیونکر اس کے تقاضے پورے کر سکتا ہے؟ عجب چیز ہے لیکن یہی لوگ انگریز کے صدیوں سال پہلے پارلیمنٹ کے بنائے ہوئے قوانین کو قبول کرنے (اور ان پر عمل کرنے کہ ہم انگریزوں کے زیر اقتدار رہے ہیں) کو راضی ہوں گے بلکہ انہیں اپنے سابقہ آقاؤں کی قدامت پرستی پر کچھ ناز سا محسوس ہوتا ہے کہ دیکھو کتنے مضبوط کردار کے لوگ ہیں' کیسے اپنی روایتیں قائم رکھتے ہیں۔ اس طبقے کو قرارداد مقاصد نے چونکا یا تو ضرور ہوگا لیکن جب اس کے بعد عملاً کوئی اقدام نہ اٹھایا گیا تو قرارداد کی ایک علامتی اعلان کے سوا کوئی اہمیت نہ رہی۔ پاکستان کو "اسلامک ری پبلک" کہا گیا تو بھی کچھ فرق نہ پڑا' ایوب' یحییٰ اور بھٹو کے ادوار تو تذبذب ہی سے گزرے البتہ ضیاء الحق کا دور بے چینی کا باعث رہا کہ بر جستہ سے "اسلام' اسلام" کا شور سنائی دیا اور اس کے نفاذ میں کئی اقدامات بھی لئے گئے' اگرچہ خالصتاً شریعت کا دور دورہ شروع نہ ہوا لیکن اسلامیت دلوں میں رچ بس گئی اور اقوال و اعمال کی کسوٹی قرار پائی لیکن اصل معاملہ تو اب چلا ہے جب پانچ سال سے پیش کردہ شریعت بل سینٹ سے منظوری حاصل کر چکا ہے اور اس میں بھی ضیاء الحق کا ہاتھ ہے کہ دستور میں آٹھویں ترمیم سے پہلے قومی اسمبلی کو قانون سازی میں پہل کرنے کی اجارہ داری حاصل تھی' قانون سازی سینٹ میں نہ شروع کی جا سکتی تھی وہاں کوئی بل پیش نہ ہو سکتا تھا' اس کا کام صرف قومی اسمبلی سے بھیجے ہوئے مجوزہ قانون کی نظر ثانی کرنا ہوتا تھا اور جس کے ساتھ ہی اس کا فرض ختم ہو جاتا تھا کہ اگر سینٹ کے منفی رد عمل

کے باوجود قومی اسمبلی دوبارہ اس قانون کو پاس کر دیتی تو گویا اس پر حرف آخر کہہ دیا جاتا، اسی لئے اب کہا جا رہا ہے کہ سینٹ کو بل پاس کرنے کا کیا حق ہے وہ تو منتخب عوامی ادارہ نہیں، نمائندہ ادارہ تو قومی اسمبلی ہے (اور اس پر زور دیا جا رہا ہے کہ وہ شریعت بل کو مسترد کر دے) حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ سینٹ بھی بالواسطہ منتخب ادارہ ہے اور اس کے ارکان کو صوبوں کی منتخب اسمبلیاں منتخب کرتی ہیں۔

پیپلز پارٹی حلقوں میں سرکاری وظیفہ تو اس بیان سے اظہر من الشمس ہو گیا جو اس کے اہم وزیروں نے دیا ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ قومی اسمبلی میں مخالفت کی ہر راہ سوچیں گے۔ ایک موقف تو یہ ہے کہ دستور میں پہلے ہی اس بات کا اہتمام کر دیا گیا ہے کہ کوئی غیر اسلامی قانون سازی نہ ہو، یہ اقدامی شق خود بخود دستور کو اسلامی قالب میں ڈھال دیتی ہے لیکن یہ غلط استدلال ہے اور منفی طرز عمل کی غمازی کرتا ہے، کیا اگر برطانوی پارلیمنٹ اس اصول پر عمل کرے تو اس کی ریاست اسلامی ہو جائے گی؟ ہرگز نہیں، اسلام کے اپنے مثبت مقاصد اور اہداف ہیں اور اسلامیت کا تقاضا ہے کہ مثبت طور پر ان مقاصد اور اہداف کا تعاقب کیا جائے اور ان پر مملکت کی کل پالیسیوں کی اساس رکھی جائے ورنہ نہ صرف اکثریت کے زور پر من مانی قانون سازی کی جائے گی جسے اسلامی قرار دینے کے لئے خوشامدی سیکولر مزاج مفتیوں کی دستیابی کی کوئی کمی نہ ہو گی۔ اس عمل سے انارکی اور انتشار تو پیدا ہو گا لیکن جسد سیاست اسلامی نہ بنے گا۔ اس کے خلاف شریعت کی حدود کی گرفت سے نکلنا محال ہے اور یہی اسلام میں پورے طور پر داخل ہونے کا مطلب ہے۔ لیکن دوسرا طریقہ جو وہ اختیار کر سکتے ہیں وہ مختلف فرقوں اور مکاتب فکر کے فروعی اختلافات کو بھڑکانا ہے تاکہ شریعت بل کو جتنا نزاعی بنایا جا سکے بنایا جائے۔ اب اس سلسلے میں چند گزارشات قابل غور ہیں ایک تو یہ کہ برسر اقتدار پارٹی کو جو ملک میں شہریوں کے درمیان امن و امان، صلح و آشتی قائم رکھنے کی ذمہ دار ہے یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ مذہبی تفرقات کو ہوا دے اور لاء اور آرڈر کی صورتحال کو خراب کرے، ہمارے ہاں نسلی اور لسانی محرکات سے پہلے ہی کافی فسادات بپا ہیں اور حد سے زیادہ جانی مالی نقصانات برداشت کئے جا چکے ہیں۔ قومی جسد سیاست کو مزید زخموں کی تاب نہیں۔ دوسرے شریعت کے نفاذ سے مسلمانان پاکستان اسلام کی طرف رجوع کریں گے وہ اسلام جو دلوں کو جوڑنے والا ہے وہ اسلام جس نے الف بین

قلوبکم کا معجزہ رونما کر کے برصغیر میں مسلم قومیت کو جنم دیا اور جس کی بنا پر پاکستان معرض وجود میں آیا، شریعت کا نفاذ اس وعدے کی ہی تکمیل نہ ہو گا جو ہم نے تحریک پاکستان کے دوران ــ

پاکستان کا مطلب کیا

لا الہ الا اللہ

پکار کر کیا تھا بلکہ ان روحانی امراض کا بھی علاج ثابت ہو گا جو قوم کو گھن کی طرح لگے ہوئے ہیں۔ اسی میں ہماری پریشان نظری کا دارو ہے، تیسرے جہاں بے شک مختلف مکاتب فکر میں فروعی اختلافات ہیں، شریعت بل میں زور بنیادی اتفاقات پر دیا گیا ہے مستزاد اس کی اساس اس حد تک وسیع ترین مشاورت پر رکھی گئی کہ بل کو قریب قریب اجماع کی صورت حاصل ہو گئی ہے۔ اس پر بھی اگر اختلاف رائے یا نئی تجویز کی کوئی گنجائش رہ گئی ہو تو وہ قومی اسمبلی دونوں ایوان کے اجتماعی اجلاس (جسے شرارت پسندوں نے پی پی پی اور آئی جے آئی کے دونوں کی کشتی کر کے سیاسی اکھاڑہ بنانے کی کوشش کی ہے) یا خود بعد ازاں سینٹ میں اس کا تدارک کیا جا سکتا ہے۔ چوتھے بعض گوشوں کی طرف سے یہ اعتراض اٹھایا گیا ہے کہ بل ایک فرقے یعنی سنیوں کے نقطہ نظر کی عکاسی کرتا ہے۔ اول تو یہ غلط ہے کہ یہ بل ادبدا کر سنی زاویہ نظر سے تیار کیا گیا ہے اس کی تیاری میں شیعہ مشاورت اور معاونت پوری طرح شامل ہے حقیقتاً یہ اسلامی نقطہ نگاہ سے مدون کیا گیا ہے لیکن اصول اجماع کی روشنی میں اسے بہرحال اسی طرح پاکستان کی اکثریت کی ترجمانی کرنی تھی جس طرح ایران میں اسلامی دستور نے وہاں کی اکثریت کی ترجمانی کی ہے۔ اگر جمہوریت میں اکثریت کے فیصلے قبول کئے جاتے ہیں تو اسلام میں اجماع کا اصول نافذ ہو تو کیا حرج ہے۔ بہرحال پاکستان میں بھی اسی طرح دو شریعتیں نافذ نہیں ہو سکتیں جس طرح ایران میں صحیح طور پر نہیں ہوئیں، معاشرے پر ایک ہی قانون لاگو ہو سکتا ہے۔ اعتراض کرنے والے ذم کا الو کچھ سا الو کہا پہلو نکال لیتے ہیں ایک وقت بعض حلقوں کی طرف سے یہ کہا جاتا تھا کہ اگر نظام اسلام اتنا ہی ضروری تھا تو صدر ضیاء الحق نے اپنے دور میں اسے کیوں نافذ نہ کر دیا کہ انہیں کلی اختیارات حاصل تھے اب وہی حلقے کہتے ہیں کہ یہ شریعت بل اس لئے ناقابل قبول ہے کہ یہ ان قوانین کا بھی احاطہ کرتا ہے (مثلاً حدود آرڈیننس) جو ایک "آمر" اور "غاصب" نے نافذ کئے تھے ان لوگوں کی منطق کا یہ معیار ہے

کہ خود ۸۸ء کے انتخابات میں منتخب ہوں تو جمہوریت پرست اور حریت پسند اور اگر میاں نواز شریف انہی انتخابات میں دو تین نشستوں سے کامیاب ہوں تو رجعت پسند اور آمریت پرست کا لقب پائیں۔

شریعت بل کا سینٹ کی منزل کو طے کر لینا اگرچہ قدم اولیں ہے لیکن بہت مبارک اقدام ہے قانون معاشرے کی تنظیم کرتا ہے اور جس قانون کے ڈھانچے میں معاشرہ ڈھل جائے یا ڈھال دیا جائے وہی شکل وہ معاشرہ اختیار کر لیتا ہے ہم نے ابھی تک بنظر غائر جائزہ نہیں لیا کہ سوا ڈیڑھ سو سال میں ہم کس قدر انگریزوں کے رنگ میں رنگتے گئے' بے شک مدت مدید تک مسلمانوں کی طرف سے انگریزی تعلیم و تہذیب کا مقاطعہ اور مزاحمت ہوئی اور اس خارزار رستے میں بہت قربانیاں دینی پڑیں لیکن بالآخر حاکم کے سامنے سر جھکانے کے سوا چارہ نہ رہا' جسمانی قوت جانے کے طور پر جو سب کچھ کرنا پڑا وہ آدھی صدی پیشتر سے ہندو برضا و رغبت کر رہے تھے۔ دراصل انگریزوں کی غلامی میں ہندوؤں کو کچھ کھونا نہ تھا بلکہ سب کچھ حاصل ہی کرنا تھا (مشہور ہندو مصنف نراد چودھری کا کہنا ہے کہ ہندو اور ہندوستان جو کچھ بنا' انگریزوں کے طفیل بنا) لیکن انگریزوں کی غلامی میں مسلمانوں کو تہذیبی اور مذہبی طور پر کھونا ہی کھونا تھا یہ نہیں کہ مسلمانوں میں اسلام کے داعی اور محافظ نہ پیدا ہوئے لیکن ان میں (خاص طور پر ان میں جو انگریزی تعلیم یافتہ تھے) احساس کمتری جھلکتا تھا اور ان کے خیالات پر پسماندانہ ذہنیت کا نقش غالب تھا اور یہ فطری امر تھا کہ جس طرح جج کے سامنے کیس پیش کرتے ہوئے وکیل نیازمندانہ طرز استدلال و طرز عمل اختیار کرنے پر مجبور ہوتا ہے اسی طرح مسلمان مفکر اور اہل قلم کی بھی یہی کوشش ہوتی کہ وہ جو خیالات پیش کریں وہ مغرب کے اقدار اور افکار کے معیار پر پورے اتریں' مفکروں کے اس مسلسل رویے نے ہمارے مسلم معاشرے میں عجب صورتحال پیدا کی اگر ایک طرف ایسے گروہ اٹھے جنہوں نے انگریزوں کو قابل پذیرائی اور لائق حکمرانی سمجھا اور انہیں شیعہ اسلامی اصطلاح میں اولوالامر ٹھہرایا (ایسے ہی ایک گروہ نے مرزا غلام احمد قادیانی کی نعوذ باللہ "نبوت" کا پرچم لہرایا اور انگریز کی تابعداری کو "دین" کا ستون قرار دیا) تو دوسری طرف ایسے مصنفین اٹھے جنہوں نے اسلام کے متعلق جو کچھ لکھا وہ مغربی مستشرقین کی نظریاتی یورش کے مقابلے میں لکھا اور گو وہ کوشش زمانے کے حالات کی روشنی میں قابل ستائش اور لائق تحسین تھی لیکن ان کی تحریریں لابدی طور پر حقی مواد کی حامل تھیں نہ پسپائی کا مظہر تھیں کہ وہ مدافعانہ انداز میں لکھی گئی تھیں اور ان کا معذرت خواہانہ ہونا لازمی تھا ان سے اسلام کی مثبت تصویر کشی نہیں ہوتی کہ وہ حریت فکر و نظر کی روح سے عاری ہیں میرے خیال میں ماڈرن ماحول میں اقبالؒ وہ پہلا مفکر ہے جس نے اسلام کو مغربی افکار و اقدار سے کلیۃ ہٹ کر آزادی کے آئینے میں دیکھا اور مغرب کے خلاف پانسہ پلٹ کر مغرب کے پیدا کردہ دور حاضرہ کو اسلام کی کڑی کسوٹی پر پرکھا اور فیصلہ دیا۔

تمہاری تہذیب خود اپنے خنجر سے خودکشی کرے گی
جو شاخ نازک پہ بنے گا آشیانہ ناپائیدار ہو گا

اس طرح آہستہ آہستہ مسلمانان برصغیر کی غلامانہ فکر کی تاریکی کے بادل چھٹے اور قائداعظمؒ نے تحریک پاکستان کی بنیاد مسلمانوں کے مخصوص اور اچھوتے "نظریہ حیات" پر رکھی۔ مسلمانوں کی سات سالہ (40ء تا 47ء) جدوجہد آزادی دراصل احیائے اسلام کی جنگ تھی کہ الگ آزاد اور خود مختار ملک کے بغیر اسلام کے قوانین و اقدار پنپ ہی نہ سکتے تھے۔ وہ اگر اہل کتاب عیسائیوں (انگریزوں) کے ماتحت پھر وہ ہو گئے تو سراسر بت پرست کفر' ہندو مت کے نیچے کس طرح پروان چڑھ سکتے تھے لیکن پاکستان بننے کے بعد بھی مغربی تہذیبی اثرات دین متین کے نفاذ ہونے میں حائل رہے تا آنکہ ع

کفر ٹوٹا خدا خدا کر کے

اور سینٹ میں شریعت بل پاس ہو گیا اور گو ابھی مکمل نفاذ اسلام کے لئے کئی منزلیں طے کرنا باقی ہیں پھر بھی ہم اس وقت بہت فیصلہ کن موڑ پر کھڑے ہیں اور میں اس کو پہنچنے سے پہلے اس ساعت کی مانند دیکھ رہا ہوں جس کے آفاق میں وہ طلوع کے لئے خالق دو جہاں نے اپنے آپ کو فالق الاصباح (صبح کا تڑکا کرنے والا) کے سحر انگیز و انقلاب آفریں کردار میں پیش کیا۔ سینٹ نے بھی شریعت بل کو پاس کر کے صبح کے تڑکے کی نوید دی ہے لیکن ابھی طلوع صبح میں وقت اور مراحل کا فاصلہ سدراہ ہے۔

پھر جب شریعت بل قومی اسمبلی سے باختلاف کی صورت دونوں ایوانوں کے اجتماعی اجلاس کے ذریعے ایکٹ بھی بن جائے یعنی نفاذ العمل بھی ہو جائے تو بھی نظام اسلام کے نفاذ کے لئے ایک اشد شرط کا پورا ہونا باقی رہ جاتا ہے۔ شریعت بل قرآن و سنت پر مبنی قوانین کا مجموعہ ہے لیکن کیا قوانین دساتیر

از خود چالو ہو سکتے ہیں کیا انہیں نافذ کرنے کے لئے کسی قوت نافذہ کی ضرورت نہیں؟ کیا جس طرح موٹر کار کو چلانے کے لئے انجن کی طاقت کی حاجت ہے اسی طرح قوانین کو چلانے کے لئے حکومت کی طاقت کی حاجت نہیں؟ ظاہر ہے کہ نظام اسلام میں نظام حکومت کا بندوبست لازمی ہے' شریعت تو ع

چراغ راہ ہے منزل نہیں

بالفاظ دیگر شریعت بمنزلہ چار دیواری (تلک حدود اللہ) ہے' اس کے اندر دخول کا انتظام اور اس کے اندر نظم و نسق کا کام شریعت کی قوت نافذہ یا نظام حکومت ہی سرانجام دے سکتا ہے' ورنہ اسلام کی اس چار دیواری کے متعلق وہی کچھ کہا جائے گا جو ڈاکٹر جاوید اقبال نے جمہوریت کی تعریف میں کہا کہ یہ اسلام کے "قریب تر" ہے (خواہ وہ وڈیروں اور نودولتیے لیڈروں کے کوکھ سے نمودار ہو جیسا کہ ہمارے صورتحال ہے) گویا ہم اسلام کی ہمسائیگی میں تو رہیں گے لیکن اس کی حدود میں داخل نہ ہوں گے جو اللہ تعالیٰ کا حکم ہے بلکہ اس کی چار دیواری کے ارد گرد چکر لگا کر غیر اسلامی نظام تلے زندگی گزارنے کو ترجیح دیں گے تو پھر اسلام کا حوالہ دینے کا تکلف کیوں! پھر تو آپ آئیڈیل سیکولر سوسائٹی میں مگن رہئے جسے آپ نے اسلامی سوسائٹی کا مماثل اور متبادل قرار دیا ہے' اسلامی معاشرے کے بارے میں ہمارے ہاں یہ غلط فہمیاں کیوں پیدا ہو رہی ہیں؟ اس کی وجہ صاف اور واضح ہے ہمارے علمائے کرام نے اب تک نظام اسلام کا مطلب صرف اور محض اسلامی قوانین کی تدوین اور اجرا کیا ہے خواہ اس کی تدوین اور اجرا کسی نو رنگ کی حکومت کے ہاتھوں سے ہو۔ انہوں نے یہ نہ سوچا کہ شریعت کسی سیکولر' جمہوری یا سوشلسٹ حکومت کے ہاتھوں نافذ نہیں ہو سکتی شریعت وہی حکومت نافذ کر سکتی ہے جو اس پر ایمان رکھتی ہو اور اپنے آپ کو اس کا پابند کرنے کو تیار ہو۔ کمیونزم کو کمیونسٹ حکومت نے نافذ کیا اور جب کمیونسٹ لیڈروں کا کمیونزم سے ایمان اٹھ گیا تو روسی حکومت کا کردار بھی بدل گیا۔ ایسی حکومت کا خاکہ خود نظام اسلام کے قوانین میں موجود ہونا چاہئے ایسا ہوتا تو شریعت بل کے پیش ہونے کے ساتھ ہی قوم کے سامنے ایک ایسی اسلامی حکومت کی تصویر کھچ جاتی جو شریعت کو نافذ کرنے کے فریضے پر مامور ہوتی اور جب بل ایکٹ میں تبدیل ہو جاتا تو اس اسلامی حکومت کی تشکیل کا فوراً مرحلہ آ پہنچتا اور با ایں طور اسلامی انقلاب بروئے کار آ جاتا لیکن اب کیا صورت ہے؟ آپ شریعت بل یا ایکٹ کے نفاذ کی ذمہ داری ایسی حکومت پر ڈال رہے جو سرے سے شریعت کے نفاذ کی مخالف ہے اور وہ اس بل کو ناکام بنانے میں ایڑی چوٹی کا زور لگائے گی۔ ہماری مشکل یہ ہے کہ بہت کم علمائے کرام کو دور حاضرہ کے مزاج سے شناسائی ہے۔ سوشلزم اور کمیونزم کو تو وہ روس کے حوالے سے سمجھ جائیں گے کہ دہریت ماب ہیں اور مسلمانوں کے لئے ناقابل قبول ہیں (گو بھٹو بزرگ کے دور میں "دیدہ ور" کے مصنف مولانا کوثر نیازی نے "اسلامی سوشلزم" کی لایعنی اصطلاح گھڑنے میں کوئی مضائقہ نہ سمجھا) لیکن سیکولرازم اور جمہوریت کا جادو چل جاتا ہے اس کی تاریخی وجہ ہیں سیکولرازم تو اس لئے لائق تحسین گردانی گئی کہ سیاست میں اس سے مذہب سے وابستگی (مغربی زبان میں "مذہبی جنون") کے خلاف لادینیت کی غیر جانبداریت ٹپکتی ہے اور عدل و انصاف کی بو آتی ہے (نیز چونکہ وہ مغرب کی گریڈ ہے اسے یقیناً مستحسن قرار دیا جائے گا ع (وہی زیبا ہے آزاد بندے کہیں زیبا) اور اسی لئے اس کی نیک نامی سے فائدہ اٹھانے کے لئے پاکستان کی مذہبیت (تھیاکریسی) کے خلاف ہندوستان نے سیکولرازم کو اپنایا (حالانکہ جتنا مسلم خون ہندوستان میں بہا ہے اور بہہ رہا ہے' اس کی مثال کرہ ارض کے کسی اور ملک میں نہیں ملتی) جمہوریت کا اس لئے نام چلا کہ وہ آزادی اقوام کے مترادف بن گئی جبکہ اس ضمن میں ہماری تحریک آزادی استثنائی حیثیت کی حامل ہے کہ پاکستان جمہوریت کو مسترد کر کے مسلم قومیت کی بنا پر بنایا گیا' لیکن جمہوریت کا اصل نکتہ یہ ہے کہ یہ سیکولرازم پر مبنی ہے جس کا مطلب غیر جانبداریت' عدل و انصاف نہیں بلکہ یکسر اللہ اور آخرت کے تصور کا انکار اور استرداد ہے (کسی انگریزی ڈکشنری میں سیکولرازم کے معنی دیکھ لیں) اسی لئے جمہوریت میں قوم کی مطلق العنانیت کا نظریہ جاگزیں ہے اور اسی بنیادی نظریئے کے حوالے سے پارلیمنٹ میں اکثریت کو قانون سازی کا مطلق اختیار حاصل ہے۔ اب جمہوریت کے ان اساسی معتقدات کو جمع کیجئے دہریت' انسانوں کی مطلق العنانیت اور اکثریت کا محدود حق قانون سازی' جمہوریت کی اس حاصل جمع کا اسلام کے معتقدات اور قرارداد مقاصد سے موازنہ و مقابلہ کیجئے۔ مسلم معاشرے میں مخلوق خدا مطلق العنان نہیں ہو سکتی اسی لئے قرارداد مقاصد میں (جو اب دستور میں قابل عمل شق کے طور پر داخل ہے) مطلق العنانیت اللہ تعالیٰ سے منسوب کی گئی ہے اور قوم کے ملک گیری کے اختیارات اللہ تعالیٰ کے

نائب کی حیثیت (خلیفتہ اللہ) سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے تفویض کئے گئے ہیں جو قرآن اور سنت کی حدود میں ہی استعمال کئے جا سکتے ہیں۔ اسلام اور جمہوریت کے درمیان اس بین زمین و آسمان کے فرق کی روشنی میں شریعت کا نفاذ کسی ایسی حکومت کو کیونکر سونپا جا سکتا ہے جو سرتاپا اسلام کے رنگ میں ہی نہ رنگی ہو (حالانکہ و من احسن من اللہ صبغہ) بلکہ علی الاعلان سیکولرازم اور سوشلزم کی نام لیوا ہو۔ اس کا صاف مطلب ہے کہ شریعت بل میں قوت نافذہ (نظام حکومت) کے ضمن میں خلا پر کرنے کی ضرورت ہے۔

سوال ہے کہ اس قوت نافذہ یا اسلامی نظام حکومت کے خدوخال کیا ہوں؟ اس سوال کا جواب دینے کی حتی الوسع کوشش کرنے سے پہلے میں ایک بات کی توضیح کرنا چاہتا ہوں ہمارے ہاں ایک رسم پڑ گئی ہے کہ جہاں کسی نے نافذ و رواں نظام جمہوریت کی واضح خرابیوں کی نشاندہی کی اسے فوراً آمریت کا حامی قرار دے کر چپ کرانے کی کوشش کی گئی ہے، موجودہ حکومت کی وسیع پیمانے پر کرپشن کا ذکر کرو تو کہا جاتا ہے کہ یہ اپوزیشن کے مناصر مارشل لاء کے نفاذ کی راہ ہموار کرنا چاہتے ہیں اور کوئی یہ سوچنے کی زحمت گوارا نہیں کرتا کہ اس قسم کی تبدیلی سے پنجاب اور بلوچستان کی حکومتوں کو کیا فائدہ حاصل ہو گا ان کی صفیں بھی تو لپیٹی جائیں گی۔ سو آمریت، فوجی آمریت موجودہ جمہوریت کا متبادل نہیں ہے اس کا متبادل اسلامی نظام حکومت ہے جس کی دو غیر معمولی خصوصیات ہیں، ایک تو اس کی بنیاد قانون الٰہیہ پر قائم ہے یہ قانون اکثریت و اقلیت کے فساد سے پاک کسی قسم کی عصبیت سے بالاتر ہے ہر رو رعایت سے منزہ یہ انسان کو بحیثیت انسان دیکھتا ہے اور اسے ان اکرمکم عند اللہ اتقکم (تم میں اللہ کے نزدیک معزز وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ متقی ہے) کی کسوٹی پر جانچتا ہے۔ اب مساوات کا (جو جمہوریت ظاہرا طور پر اپنا طرہ امتیاز قرار دیتی ہے لیکن ہمیں عملی طور پر عمل و تجربہ ہے کہ کوئی بے وسیلہ آدمی اس نظام میں آگے نہیں بڑھ سکتا) اس سے ارفع تصور ہو سکتا ہے کہ انسان، شہری اپنے اعمال کے حسن و قبح پر جانا جائے تو سب سے پہلے قانون اسلام کے نفاذ سے یہ اثر ہو گا کہ وطن کے تمام لوگ مساوات کی ایک سطح پر کھڑے ہو جائیں گے اور کسی طبقے کو یہ شکایت نہ ہو گی کہ وہ جماعتی اور متعصبانہ سلوک کا شکار ہو گا۔ قرآن و سنت کے بنیادی قوانین کی مرور ایام کے ساتھ بدلتے ہوئے حالات میں تشریح کے لئے یقیناً ایک مجلس شوریٰ کی ضرورت ہو گی اس میں ملک کے ہر مکتب فکر کے جید علماء و فقہاء تو ہوں گے ہی لیکن ان میں مختلف شعبہ ہائے زندگی کے ماہرین کی نمائندگی بھی ضروری ہے اور ہمارے ہاں متعدد ادارے ہیں (مثلاً یونیورسٹیاں، چیمبر آف کامرس اینڈ انڈسٹری، ایسوسی ایشن آف سائنٹفک ریسرچ، لیبر یونینز، ایڈیٹرز کونسل، ڈاکٹرز، جرنلسٹس آرگنائزیشنز، سٹوڈنٹ باڈیز، ڈسٹرکٹ کونسلز وغیرہ وغیرہ) جو ان ماہرین کی فراہمی کا بطریق احسن انتظام کر سکتے ہیں اور اس مجلس کو قطعی عوامی رنگ دے سکتے ہیں۔ عوامی رنگ تاکہ جمہوری شکل کہ اکثریت من مانی کرے اور حقوق العباد کو ملیامیٹ کرے۔ نظام حکومت کا دوسرا شعبہ انتظامیہ ہو گا جو شریعت کے نفاذ کا ذمہ دار ہو گا۔ اسلامی روایت کے مطابق اس کا سربراہ امیر اور صدر ہی ہونا چاہئے (جو افواج پاکستان کا بھی کمانڈر انچیف ہونا چاہئے، امریکی صدر بھی افواج کے کمانڈر انچیف ہیں) وہ اپنے اعمال کا مجلس شوریٰ کے علاوہ نظام حکومت کے تیسرے شعبے یعنی عدلیہ کو بھی جوابدہ ہو گا کہ اس کے سامنے ہر مسلمان اپنی شکایت بیان کر سکے گا۔ بعض ناعاقبت اندیشوں نے قاضیوں اور مفتیوں کی تقرری کو عجوبہ قرار دیا ہے یہ انگریز راج کی برکتیں ہیں ورنہ عالم اسلام میں قرنہا قرن قاضیوں نے ہی فیصلے دیئے اور مفتیوں نے ہی معاملات کے لاینحل نکات کو واضح کیا۔ جب شریعت ہی معیار کردار اور کارگزاری ٹھہرا تو اس ضمن میں وہی طبقہ اہل رائے قرار دیا جائے گا جو شریعت کا علم و ادراک رکھتا ہو۔ یہاں میں اس مختصر مضمون میں بحث کو مزید طول نہیں دینا چاہتا کہ شریعت کی قوت نافذہ یا اسلامی نظام حکومت کے ان تین اہم شعبوں کی طرف ہلکا سا اشارہ ہی مقصود تھا۔ یہ تاریخی حقیقت پیش نظر رکھنی چاہئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینے میں تشریف لاتے ہی نظام حکومت قائم کیا حالانکہ قوانین کی تفاصیل آہستہ آہستہ اگلے تیرہ سالوں میں نازل ہوتی رہیں۔ اس سے یہ نکتہ واشگاف ہوتا ہے کہ اسلامی نظام حکومت کا قیام کس اشد اور نازک اہمیت کا حامل ہے کہ اس کے بغیر شریعت نافذ نہیں ہو سکتی، نظام حکومت وہ ہے جس کے پیچھے سے شریعت گزرتی ہے اور ہم اسے قائم کرنے کے اس لئے بطور خاص مکلف ہیں کہ ہمارے پاس پوری شریعت موجود ہے۔

آخر میں یہ بات کہنی ضروری ہے کہ شریعت بل کو ایکٹ بننے میں قطرے کو گوہر بننے سے کم دشوار گزار راہوں سے نہ گزرنا پڑے گا۔ اور مشکلات کے واضح اشارے ہو چکے ہیں۔ برسر اقتدار پی پی پی نے اپنے موقف کا اعلان کر دیا ہے لیکن

ابھی یہ دیکھنا باقی ہے کہ وہ اپنے مقصد کے حصول کے لئے کیا راہ عمل اختیار کرتی ہے۔ ایک طریقہ تو یہ ہے کہ بل کو (جو کہ سینٹ میں پرائیویٹ بل تھا لیکن پاس ہو جانے کے بعد سرکاری نوعیت اختیار کر گیا ہے اور حکومت کی طرف سے ہی پیش ہو سکتا ہے) قومی اسمبلی میں لا کر مختلف جہات (سیکولر اور فرقہ وارانہ) سے تختہ تنقید و مخالفت بنایا جائے اور اسے کھلی شکست دلوائی جائے۔ لیکن اس صورت میں (یا بل میں ترمیم کی صورت میں) سینٹ اور قومی اسمبلی کا اجتماعی اجلاس بلوانا ضروری ہو جائے گا اور حکومت کو ڈر ہے کہ وہاں آئی جے آئی کی اکثریت کی بناء پر بل پاس ہو جائے گا تو حکومت اس قسم کا خطرہ مول لینے کو تیار نہ ہو گی لیکن اس کے پاس ایک متبادل راہ ہے اور وہ یہ کہ شریعت بل کو قومی اسمبلی میں پیش ہی نہ ہونے دیا جائے اور دو ماہ کی مدت (جس میں اسے قومی اسمبلی سے گزر جانا چاہئے) ٹال مٹول میں گزار دی جائے۔ اغلب امکان ہے کہ وہ یہی راہ اختیار کرے گی کہ اگر بل کی قومی اسمبلی میں پیش ہونے کی نوبت ہی نہ آنے دی جائے تو نہ صرف بل اپنی موت آپ مر جائے گا بلکہ دونوں ایوانوں کے اجتماعی اجلاس کا خطرہ بھی ٹل جائے گا۔ حکومت کے اس طرز عمل کی کاٹ کا ایک ہی حربہ ہے اور وہ یہ کہ ملک میں شریعت بل کے حق میں اسی زور اور دلجمعی سے پروپیگنڈہ کیا جائے جس سطح پر مسئلہ ختم نبوت پر کیا گیا تھا اور جس کے سامنے بھٹو صاحب کو سر تسلیم خم کر کے قادیانیوں کو خارج از اسلام قرار دینا پڑا تھا۔ اس پروپیگنڈے کو یقیناً بھرپور سطح پر چلانے کی ضرورت ہے اور آئی جے آئی کا فرض ہے کہ وہ اپنے نام کی لاج کے لئے اس میں بھرپور حصہ لے کہ اس سے اسے سیاسی فوائد بھی حاصل ہوں گے لیکن اس کا اصل فورم مساجد ہیں اور یہ علمائے کرام کا فریضہ ہے کہ وہ بلا امتیاز جماعت اپنے اپنے وابستگان کو مسجدوں میں شریعت بل پر ایک نامنقطع سلسلہ خطبات شروع کرنے کی ہدایت کریں تا آنکہ بل کے ایکٹ میں تبدیل ہونے کا مرحلہ اختتام تک پہنچ جائے۔

میرے خیال میں ہماری قوم نے پچھلے بیالیس برسوں میں شریعت بل پاس کرنے سے زیادہ مثبت کوئی کام نہیں کیا اور محبان وطن کو چاہئے کہ وہ اسے اس کے منطقی انجام تک پہنچائیں۔ مجھے وثوق کامل ہے کہ اس کی برکت سے ہمارے دوسرے دلدر بھی دور ہو جائیں گے۔

(بشکریہ روزنامہ جنگ ۲ رجون)

معیاری
اور
قابلِ
اعتماد
ایگل
ایک عالمگیر قلم
A PRODUCT OF
AZAD FRIENDS & CO (Pvt). LTD.
EAGLE
IRIDIUM

دلکش
دلنشین
دلفریب
حسین کے
پارچہ جات
FABRICS
خوش پوشی کے پیش رو

جناب صلاح الدین صاحب، مدیر ہفت روزہ "تکبیر" کراچی

شریعت بل اور پیپلز پارٹی

سینٹ سے متفقہ طور پر شریعت بل کیا منظور ہوا۔ محسوس یوں ہوا کہ گویا پیپلز پارٹی کے ایوانِ اقتدار میں بھونچال آگیا۔ پارٹی پر آفتوں کا آسمان ٹوٹ پڑا۔ جس روز سینٹ سے بل متفقہ طور پر منظور ہوا۔ اس روز ٹیلی ویژن سے سینٹ کی کارروائی کی روداد کے بعد پیپلز پارٹی کے وزیر امور مذہبی اسکرین پر نمودار ہوئے اور انہوں نے کھل کر کہا کہ ہم شریعت بل سے اتفاق نہیں کرتے۔ کیونکہ یہ دستور کے خلاف ہے۔ انہوں نے سینٹ میں یہ بھی کہا کہ کسی شریعت بل کی ضرورت ہی نہیں ہے۔

پیپلز پارٹی کے اس ردّ عمل سے قطع نظر پورے ملک میں شریعت بل کی منظوری کا خیر مقدم کیا گیا۔ خود سینٹ کے ڈپٹی چیئرمین جناب افضل آغا نے کہا کہ شریعت بل کی منظوری سے پوری دنیا میں پاکستان کا امیج بلند ہوگا۔ اب کسی شخص کے لیے یہ گنجائش نہیں ہوگی کہ وہ اسلامی قانون کو بدل دے (روزنامہ جنگ کراچی ۱۴ مئی ۱۹۹۰ء)

صدر غلام اسحاق خاں نے کہا کہ شریعت بل کے فیوض و برکات سے پوری قوم فیض یاب ہوگی۔ منگل کی شب سینیٹر مولانا سمیع الحق کے عشائیے میں اخبار نویسوں سے باتیں کرتے ہوئے صدر نے انکشاف کیا کہ شریعت بل کے حق میں ۲ لاکھ آراء آئی تھیں۔ میں نے سینٹ کے چیئرمین کی حیثیت سے ان کے تجزیے کرائے تھے جس میں ۱۵۰۰ لوگوں کی مستند آراء بھی شامل تھیں۔ (روزنامہ جنگ کراچی ۱۵ مئی ۱۹۹۰ء)

۱۷ مئی کو پارلیمانی امور کے وفاقی وزیر داخلہ چودھری اعتزاز احسن اور وفاقی وزیر پارلیمانی امور خواجہ طارق رحیم نے ایک مشترکہ بیان جاری کیا۔ جسے پاکستان ٹیلی وژن نے بڑے دھوم دھام انداز میں نشر کیا تھا کہ بیان میں سینٹ کی طرف سے منظور کئے جانے والے شریعت بل کو پاکستان کے عوام کے مینڈیٹ کی پرواہ نہ کرتے ہوئے یک طرفہ کارروائی اور آئین کی خلاف ورزی قرار دیا گیا۔

کوئی ان وزراء سے پوچھے کہ کب اور کس نے عوام سے یہ مینڈیٹ لیا تھا کہ پارلیمنٹ میں کوئی شریعت بل منظور نہیں کیا جائے گا۔ پیپلز پارٹی نے دسمبر ۱۹۸۸ء میں انتخاب لڑا۔ جب کہ یہ بل ۱۹۸۵ء میں سینٹ میں پیش ہو چکا تھا۔ پیپلز پارٹی نے اپنی انتخابی مہم کے کسی جلسے میں یا کسی اور سیاسی جماعت نے اپنے کسی جلسے میں عوام سے یہ مینڈیٹ حاصل کیا تھا کہ وہ پارلیمنٹ میں جائیں گے، تو پارلیمنٹ میں مجی طور پر پیش ہونے والے شریعت بل کو منظور

نہیں ہونے دیں گے۔ اگر یہ بات امر واقعہ کے خلاف ہے تو پھر سینٹ میں شریعت بل کی منظوری عوام کی مینڈیٹ کی پروا نہ کرتے ہوئے یک طرفہ کارروائی کیسے ہوئی؟ کیا پیپلز پارٹی کے وزراء کی پسند عوام کا مینڈیٹ کہی جائے گی ؟ اور اس کی ناپسندیدگی عوام کے مینڈیٹ کی مخالفت ؟ یہ اندرت فلسفے پیپلز پارٹی کے مفلس الخیال وزیروں ہی کو زیب دیتے ہیں۔

ایک اعتراض یہ بھی ہے کہ حکومت کی طرف سے پیش کی جانے والی ترامیم کو زیر غور نہیں لایا گیا۔ اس لئے یہ بل یک طرفہ ہے اور اتفاق رائے سے محروم ہے۔ یہ سراسر مغالطہ انگیزی ہے۔ سینٹ نے وزیر قانون کی پیش کی جانے والی ترامیم کو زیر غور لانے سے انکار نہیں کیا۔ لیکن متعلقہ وزیر اتنے اہم بل کے دوران سینٹ کے اجلاس میں شرکت کو اہمیت نہ دیں اور بیرونی دوروں کے مزے لوٹنے کو ترجیح دیں۔ اور اس طرح قانون سازی کو مؤخر کرنے کی کوشش کریں۔ تو اس رویے کو سینٹ پر اس الزام کی شکل کیوں کر دی جا سکتی ہے۔ کہ حکومت کی طرف سے پیش کی جانے والی ترامیم کو زیر غور ہی نہیں لایا گیا۔ پیپلز پارٹی کی بے نظیر حکومت کی دنیا بھر میں یہ شہرت ہے کہ اس کی کارکردگی قانون سازی کے معاملے میں صفر ہے۔ پارلیمنٹ میں اس نے قانون سازی کے سلسلے میں کچھ کیا ہی نہیں۔ اب عجیب بات ہے کہ نہ تو یہ حکومت خود قانون سازی کرتی ہے اور نہ نجی قانونی مسودوں کو منظور ہونے دینا چاہتی ہے۔ ان کی منظوری کی راہ میں رکاوٹیں پیدا کرتی ہے اور تاخیری حربے استعمال کرتی ہے۔ بل کی خواندگی کے دوران کچھ ترامیم کا محرک ہونے کے باوجود وزیر قانون کا بیرونی دورے پر چلے جانا ایک تاخیری حربہ تھا۔ جسے سینٹ نے رد کر دیا تو سینٹ کی یہ کارروائی یک طرفہ کیسے ہو گئی ؟ ویسے بھی وزیر قانون سینیٹر نہیں ہیں۔ وہ سینٹ میں ہونے والی بحث میں تو شریک ہو سکتے ہیں، لیکن ووٹ کا حق نہیں رکھتے چنانچہ ان کی موجودگی میں بھی ان کی ترامیم کو منظور یا نامنظور کر کے اگر سینٹ بل اس طرح منظور کرتی کہ سینٹ کا کوئی رکن اس کی مخالفت نہ کرتا تو بل کی منظوری تب بھی متفقہ ہی کہی جاتی۔ محض وزیر قانون کی غیر حاضری سے سینٹ کی کارروائی یک طرفہ نہیں ہوئی۔ یہ صریح مغالطہ انگیزی ہے اس بل کی خواندگی کے دوران اگر وفاقی وزیر مملکت برائے سائنس وٹیکنالوجی سینیٹر جاوید جبار ہی موجود ہوتے اور اس کی مخالفت میں ووٹ دیتے تو یہ بل متفقہ نہیں کہا جا سکتا۔ مگر پیپلز پارٹی تو اس بل کی مخالفت میں ووٹ ڈلوانے کے لئے اپنے واحد سینیٹر کو بھی سینٹ میں نہ لا سکی۔ چنانچہ جب بل کی منظوری کے وقت کوئی ووٹ اس کے خلاف گیا ہی نہیں، تو بل اتفاق رائے سے محروم اور یک طرفہ کیسے ہو گیا ؟ یہ کھلی ڈھٹائی والی بات ہے۔

ان لال بجھکڑ وزراء نے ایک اور فتنہ انگیز دلیل یہ دی ہے کہ بل پیش کرنے والے سینیٹر مولانا سمیع الحق اور قاضی عبداللطیف چونکہ مسلمانوں کے ایک مکتبہ فکر کی نمائندگی کرتے ہیں۔ اس لئے یہ بل لوگوں کے لئے ناقابل قبول ہوگا۔ دوسروں کو فرقہ بندی اور فرقہ پرستی کا طعنہ دینے والوں کے بیان میں فرقہ وارانہ امتیاز کا یہ حوالہ بجائے

خود ان کی فرقہ وارانہ ذہنیت کا عکاس ہے۔ سوال یہ ہے کہ جب سینٹ نے یہ بل متفقہ طور پر پانچ سال کے غور و فکر کے بعد منظور کر لیا، تو یہ بل دو سینٹروں کا کہاں رہا۔ یہ تو پوری سینٹ کا بل ہے۔ اس کے سلسلے میں محرک سینیٹروں کے مکتبہ فکر کا حوالہ دھاندلی اور فتنہ انگیزی کے سوا کچھ نہیں۔ پورا سینٹ تو محض کسی ایک مکتبہ فکر کے ارکان پر مبنی نہیں۔ بل پر غور و فکر میں سینٹ میں موجود دوسرے تمام مکاتب فکر کے ارکان بھی موجود اور اتفاق رائے میں شریک رہے ہیں۔ اس بل کی تحریک اگر مولانا سمیع الحق اور قاضی عبداللطیف نے پیش کی تھی، تو اس میں قبول کی جانے والی ترامیم میر ہزار خان بجارانی، پروفیسر خورشید احمد، جناب بہرہ ور سعید اور جناب محمد علی نے پیش کیں۔ اور بل کی منظوری کے بعد اس کی سرعام تحسین و تائید سینیٹر اور ڈپٹی چیئرمین فضل آغا نے کی۔ کیا یہ سب بھی مولانا سمیع الحق اور قاضی عبداللطیف ہی کے ہم مسلک اور ہم فرقہ لوگ ہیں؟

ان ماہرینِ آئین کا ایک استدلال یہ بھی ہے کہ پارلیمنٹ عوام کے اقتدارِ اعلیٰ اور نمائندگی کی مظہر ہے اور یہ بل پارلیمنٹ کے اقتدارِ اعلیٰ اور یوں عوام کے اقتدارِ اعلیٰ پر ضربِ کاری ہے۔ یہ استدلال آئین ناشناسی اور جہل کا کھلا اعلان ہے۔ پاکستان کا دستور قرارداد مقاصد کے جزوِ آئین ہونے کے بعد پارلیمنٹ یا عوام کے اقتدارِ اعلیٰ کو تسلیم ہی نہیں کرتا۔ یہ امریکی سیکولر تصور ہے جس کی پاکستانی آئین میں کوئی گنجائش نہیں ــ پاکستان کے دستور میں اقتدارِ اعلیٰ نہ پارلیمنٹ کا اور نہ عوام کا تسلیم کیا گیا بلکہ اقتدارِ اعلیٰ صرف اور صرف اللہ کا تسلیم کیا گیا ہے۔ اور اللہ کے اقتدارِ اعلیٰ کو تسلیم کرتے ہوئے تمام قانون سازی کے بنیادی مآخذ قرآن و سنت ٹھہرائے گئے ہیں۔ قرآن و سنت ہی شریعت ہیں۔ اس لئے شریعت بل کا مقصد ہی قراردادِ مقاصد کے مطابق پاکستان میں شریعت کی بالادستی قائم کرنا بتایا گیا ہے۔ پھر بھلا یہ بل آئین پاکستان کی خلاف ورزی کیسے ہو گیا۔ تھوڑی دیر کے لئے اگر یہ مان لیا جائے کہ یہ بل دستور کے خلاف ہے۔ تو یہ وزراء تو آج تک یہ درس دیتے آئے ہیں کہ دستور کی تعبیر کا حق نہ پارلیمنٹ کو ہے اور نہ حکومت یا حزبِ اختلاف کو، بلکہ دستور کی تعبیر کا حق تو صرف عدالت کو ہے۔ اب یہ وزراء اپنا دیا ہوا سبق بھول کر یہ دہائی کیوں دے رہے ہیں کہ پارلیمنٹ کو بھی یہ حق ہونا چاہئے۔ کہ وہ اس بات کا فیصلہ کر سکے کہ آیا کوئی قانون شریعت کے اصول یا ضابطے کے منافی ہے۔ پارلیمنٹ خود کو اس اختیار سے محروم نہیں رکھ سکتی۔ پارلیمنٹ کو جب آئین کی تعبیر کا حق ہی نہیں تو کسی اختیار سے اس کی محرومی کا سوال ہی کہاں پیدا ہوتا ہے۔ پیپلز پارٹی ایسی پارلیمنٹ کو شریعت پر نظرِ ثانی کا حق دلوانا چاہتی ہے۔ جس میں اس نے پراچہ صاحب جیسے وزیر منتخب کر کے بھجوائے ہیں۔ جن کی دیانت و امانت کو عدالتِ عالیہ نے ناقابلِ قبول قرار دے دیا ہے۔

بشکریہ ہفت روزہ "تکبیر" ۳۱ مئی ۱۹۹۰ء

محفوظ قابلِ اعتماد مستعد بندرگاہ

بندرگاہ کراچی

جہازرانوں کی جنّت
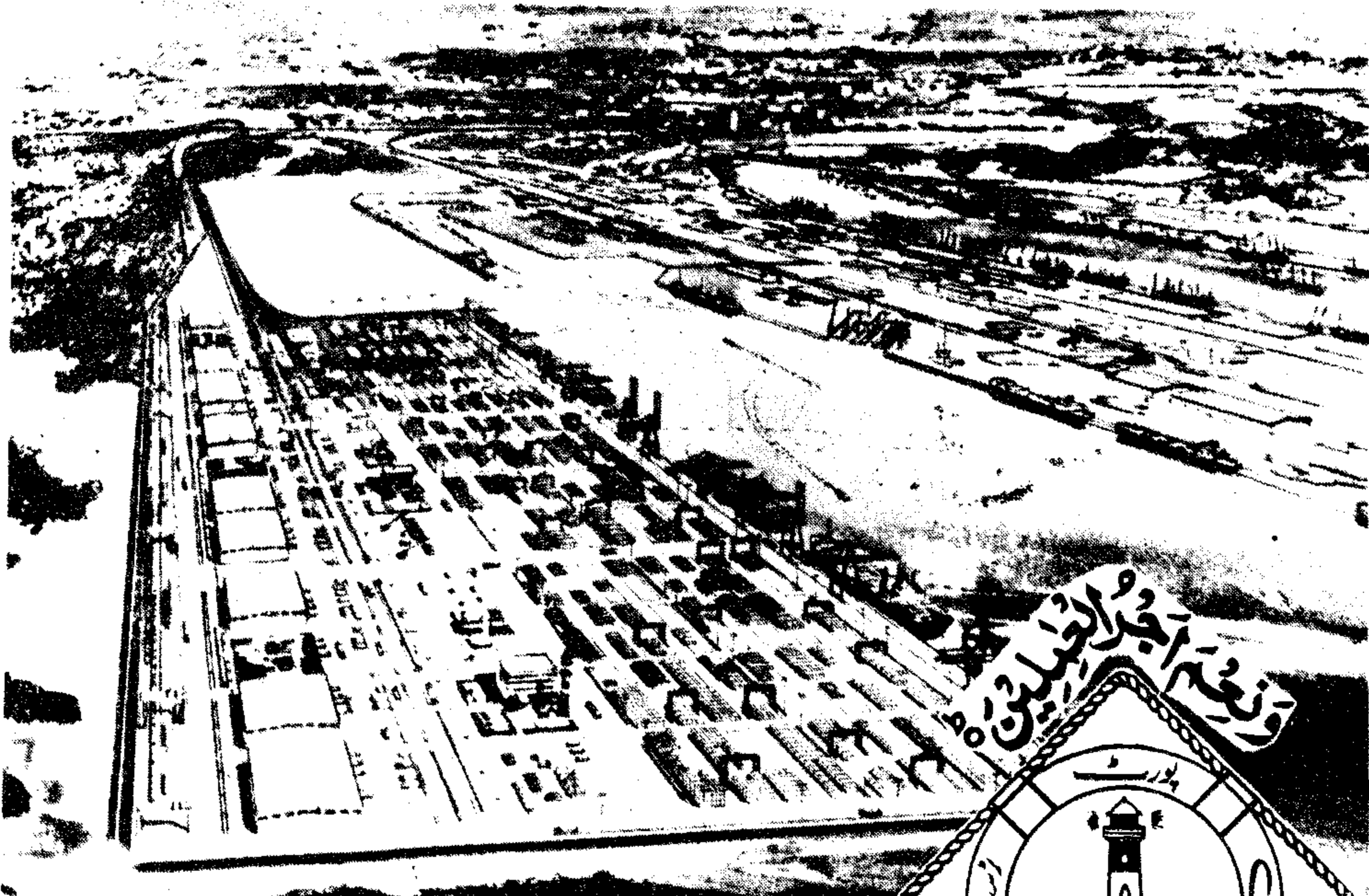
بندرگاہ کی خدمات کے جدید انداز کے ساتھ
عالمی تجارت کے لئے پُرکشش
پاکستانی معیشت کی تعمیر کے لئے کوشاں

ہماری کامیابیوں کی بنیاد

- انجنیئرنگ میں کمالِ فن
- جدید ٹیکنالوجی
- مستعد خدمات
- باکفایت اخراجات
- مسلسل محنت

۲۱ ویں صدی کی جانب رواں

بمع

جدید مربوط کنٹینر ٹرمینلز
نئے میرین پروڈکٹس ٹرمینل
بندرگاہ کراچی ترقی کی جانب رواں

KPT 4/88. PID - Islamabad

شیخ الحدیث مولانا مفتی محمد فرید مدظلہ
صدر دارالافتاء دارالعلوم حقانیہ

معوذتین، خلاصہ مضمون اور تفسیری توضیحات

ختم القرآن کے موقع پر اجتماع اور دعا کی شرعی حیثیت

ذیل میں شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی محمد فرید صاحب مدظلہ کے مفصل تقریر کے بعض مفید اقتباسات پیش خدمت ہیں جو موصوف نے آخر رجب ۱۴۱۰ھ میں ختم تفسیر قرآن کی تقریب جامع مسجد دارالعلوم حقانیہ میں آخری دو سورتوں معوذتین کی تشریح و توضیح اور تفسیر کے درس کی صورت میں خطاب فرمایا۔ ترجمہ اور تفسیر کا یہ سالانہ درس بعد العصر مولانا عبدالقیوم حقانی پڑھاتے ہیں جس کا آغاز شوال اور اختتام رجب میں ہوتا ہے: (ادارہ)

میرے عزیز طلبہ اور محترم بھائیو! ہمارے دارالعلوم کے فاضل و مدرس مولانا عبدالقیوم صاحب حقانی نے سارے تعلیمی سال میں ترجمہ اور تفسیر پڑھا کر آج ختم تفسیر کے لئے خصوصی اجتماع کا اہتمام کیا ہے تاکہ احباب اس ختم اور دعا میں شریک ہوں۔ معوذتین کی تفسیر اور تشریح کرنے سے قبل یہ وضاحت ضروری ہے کہ ختم کے موقع پر احباب کو دعوت دینے اور دعا میں شرکت کرنے کی شرعی حیثیت کیا ہے آیا یہ بدعت ہے یا مستحب ہے؟ تو اس کے متعلق عرض ہے کہ یہ دعوت اور دعا میں شرکت جائز اور مستحب ہے اس کے متعلق صحابہ اور تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے آثار مروی ہیں۔

ختم القرآن کے موقع پر اجتماع اور دعا کی شرعی حیثیت

سنن دارمی کی جلد دوم کے آخر (باب فی ختم القرآن میں) ابو قلابہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ جو شخص ختم قرآن کی مجلس میں حاضر ہو جائے فکانما

مشهد الغنائم حسین تقسیم توگویا کہ وہ غنائم کی تقسیم کے وقت حاضر ہوا۔ اور اس کو غنائم سے حصہ ملا۔ اور حضرت قتادہ سے مروی ہے کہ ایک شخص مسجد نبوی میں قرآن پڑھتا تھا اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اس کے ختم کے انتظار میں رہتے اور جب ختم کا وقت آتا تو اٹھ کر اس شخص کے پاس چلے جاتے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جب حضرت ابن عباسؓ قرآن ختم کرتے تو تمام اولاد اور اہلبیت کو جمع کر لیتے اور ان کے لئے دعا کرتے۔ اور حُمید اعرج سے مروی ہے کہ جو شخص قرآن پڑھے اور اس کے بعد دعا کرے تو اس کی دعا پر چار ہزار فرشتے آمین کہتے ہیں۔ اور حکم سے مروی ہے کہ مجاہد نے مجھے دعوت دی اور فرمایا کہ ہمارا قرآن ختم کرنے کا ارادہ ہے تو اس میں شرکت کے لئے آپ کو دعوت دی ہے۔ ہمیں سلف صالحین سے پہنچا ہے کہ ختم قرآن کے وقت دعائیں قبول ہوتی ہیں۔

یہ روایات سنن دارمی میں باسند مروی ہیں۔ اور سنن دارمی وہ کتاب ہے کہ اس کے متعلق حضرت شاہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک صحاح ستہ میں ابن ماجہ کی جگہ سنن دارمی یا موطا امام مالک رکھنا مناسب ہے۔ تو ان آثار کی بنا پر ختم کے لئے جمع ہونے اور ختم کے وقت دعا کرنے کا اہتمام مشروع ہے۔

فتاویٰ ہندیہ جلد خامس میں محیط سے اس دعا اور اجتماع کی کراہت مروی ہے اور دلیل یہ ذکر کی ہے کہ اس پر تعامل وارد نہیں ہے۔ یہ خیر القرون میں معمول نہ تھا لیکن دیگر فقہا سے روایت کیا ہے کہ اس عدم جواز پر فتویٰ نہ دیا جائے گا۔ اور ان آثار کی بنا پر یہ آخری قول قوی ہے۔ نیز کسی حکم کے جواز اور استحباب کے لئے صحابی کا قول کافی ہوتا ہے اگرچہ اس پر تعامل وارد نہ ہو۔ اس مسئلہ کو خوب ذہن نشین کر لیں کیونکہ اس دور میں بعض رمضانی تراجم اور بلا تحقیق احادیث پڑھنے سے لوگوں کا یہ مزاج بن گیا ہے کہ جو چیز ان کو معلوم نہ ہو تو وہ اسے بدعت قرار دیتے ہیں۔ یہ عجیب معیار ہے۔

معوذتین کا ربط و خلاصۂ مضمون

ان دونوں سورتوں کے متعلق چار مباحث بہ طور اختصار ذکر کئے جاتے ہیں۔ خلاصہ۔ ربط۔ شانِ نزول۔ تشریح۔ تو ان سورتوں کا خلاصہ توکل اور انابت الی اللہ ہے۔ اور ان کا ربط اللہ الصمد کے ساتھ ہے اللہ الصمد کا ایک معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ وہ ذات ہے کہ حوائج میں اس کی طرف رجوع کیا جاتا ہے اور ان سورتوں کا مضمون رجوع الی اللہ ہے اور ان کا شانِ نزول بیہقی نے ذکر کیا ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر لبید منافق نے سحر کیا تھا جس کی وجہ سے قوتِ حافظہ اور بعض دیگر قوتوں کو نقصان پہنچا تھا تو اس سحر کے دفع کے لئے یہ سورتیں نازل ہوئیں۔ اور اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ سورتیں مدنی ہیں۔ ابوبکر رازی وغیرہ بعض محققین نے اس سے انکار کیا ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر سحر ہوا تھا اور اس آیت سے تمسک کرتے ہیں

ان تتبعون الا رجلا مسحورا — بخاری شریف کے نیز روایات میں
یہ تصریح نہیں کہ یہ سورتیں اس سحر کے متعلق نازل ہوئی ہیں۔ اور محققین کے دلائل سے جوابات یہ ہیں:۔
اولاً۔ ان تتبعون الا رجلاً مسحورا ۔ مکی سورتوں میں وارد ہے اور سحر مدینہ منورہ میں ہوا تھا۔ ثانیاً مسحور سے مراد مخدوع اور پاگل مراد ہے۔ عرب کا یہ زعم تھا کہ جس پر سحر ہو جائے وہ مخدوع اور پاگل ہو جاتا ہے اور جس طرح کہ پیغمبر پر اخلاط کی وجہ سے بدنی بیماری ہوتی ہے تو اگر سحر کی وجہ سے بدنی بیماری عارض ہو جائے تو اس میں کیا استبعاد ہے۔

ایک توضیحی تمثیل | اور تشریح سے قبل ایک مثال ذکر کی جاتی ہے کہ جس طرح عمدہ تخم بونے کے بعد جب کونپلیں پھوٹتی ہیں تو خطرہ ہوتا ہے کہ اس کو کوئی سبزہ خوار حیوان نہ کھا جائے۔ ورنہ تمام امیدیں خاک میں مل جائیں گی۔ اور جب سبزہ خوار حیوانات سے امن حاصل ہو جاتا ہے تو پانی سے سیرابی کا انتظام ضروری ہوتا ہے ورنہ سوختہ ہو جاتی ہے۔ اور کبھی سیرابی کے باوجود آسمانی آفت سے تمام فصل اور باغ ختم ہو جاتے ہیں۔ اور کبھی مالک کا کوئی دشمن اور حاسد فصل اور باغ کو قبل از وقت کاٹتا ہے۔ اور تمام امیدوں کو خاک میں ملاتا ہے اور بہرحال جب تخم عمدہ نہ ہو۔ اس کا مغز کھایا گیا ہو تو اس سے غلہ یا میوہ حاصل ہونے کا کوئی امکان نہیں تھا۔

قلوب واندیشہ ہائے خطرات | تو اسی طرح آپ کے قلوب کھیت اور زمین جیسے ہیں۔ اور یہ قرآنی مضامین توحید وغیرہ تخم کی طرح ہیں جو آپ کے قلوب میں بوئے گئے۔ اور ان پر بھی یہ خطرات آنے والے ہیں۔
ان پر اولاً یہ خطرہ ہوتا ہے کہ بعض لوگ۔ والدین اساتذہ طبعی طور سے ان اسلامی اقدار سے متنفر ہوتے ہیں۔ اور ابتدا سے ان کا اہتمام اپنے ماتحت بچوں کے قلوب سے ختم کرتے ہیں۔ ان کو من شر ما خلق میں اشارہ کیا گیا ہے۔

ثانیاً یہ خطرہ لگا رہتا ہے کہ جس طرح جب کھیت کی سیرابی نہر اور چشموں کے پانی سے جاری ہو تو وہ رو بہ ترقی رہتا ہے۔ اور جب یہ سیرابی ختم ہو جائے تو ترقی ختم ہو جاتی ہے اور اسی طرح یہ روحانی کھیت جس روحانی نہر یا چشمہ سے سیراب ہوتا ہو تو اس سے تعلق رکھنا موجب ترقی ہے۔ اور اس سے تعلق قطع کرنا موجب حرمان ہے۔ وہ روحانی چشمے تین ہیں:۔
اسلامی مدارس۔ تبلیغی مراکز اور اصلاحی خانقاہیں۔ اور ان آخری دو کا منبع اور سرچشمہ یہ اسلامی مدارس ہیں۔ اور اس خطرہ کو غاسق اذا وقب میں اشارہ کیا گیا ہے۔
اور ثالثاً یہ خطرہ لگا رہتا ہے کہ کبھی کبھی مفسدین اور ملحدین کے پروپیگنڈوں کی وجہ سے انسان بد اعتقاد اور بدظن ہو جاتا ہے۔ اور مصلح کی طرف مراجعت سے محروم رہ جاتا ہے۔ اور اس کو النفاثات فی العقد میں اشارہ

(باقی ص ۶۲ پر)

UF
UNIFOAM
ہر گھر
ہر دفتر
کی زینت
یونی فوم
جہاں آرام کا نام آیا - آپ نے یونی فوم کو پایا

شفیق الدین فاروقی

دار العلوم کے شب و روز

دار العلوم کا نیا تعلیمی سال اور افتتاحی تقریب

بحمد اللہ اس سال بھی حسب سابق ۱۲؍ شوال سے دار العلوم کے نئے تعلیمی سال کے لئے تمام درجات میں طلبہ کے داخلوں کا سلسلہ شروع ہوا مختلف درجات میں قدیم وجدید طلبہ کے ساتھ داخلہ کے طریق کار، طلبہ کے گذشتہ سال کا تعلیمی معیار، نتائج اخلاقی کردار، نئے طلبہ سے انٹرویوز، امتحانات، نتائج، داخلہ فارم اور اس کی مرحلہ وار تکمیل، قیام گاہوں کی تقسیم، احاطہ و درجہ بندی اور تناسب کتب کے لئے دار العلوم کے نائب مہتمم حضرت مولانا انوار الحق صاحب مدظلہ کی سرپرستی میں دار العلوم کی انتظامیہ اور اساتذہ کرام کی کمیٹیاں تشکیل ہوئیں جنہوں نے تن دہی، بھرپور توجہ اور حسن سلیقہ سے تمام اہم امور ۱۲؍ شوال تک نمٹا لئے۔

داخلہ کے ایام میں اس سال طلبہ کا ازدحام ہمیشہ سے زیادہ رہا اور اب داخلہ مکمل ہو جانے کے باوجود داخلہ کے شائقین کا تا ہنوز وہی عالم ہے۔ بے چارے دور دراز علاقوں سے آنے والے طالبان علوم نبوت عدم گنجائش کے پیش نظر یہاں سے محروم واپس لوٹتے ہیں۔ درجہ دورۂ حدیث میں آغاز ہی سے ۱۸۰۰ تک شرکاء کی تعداد پہنچ گئی۔ اور اب یہ عالم ہے کہ دار الحدیث سمیت تمام درسگاہوں کو اپنی تنگ دامنی کی شکایت ہے۔ عام درسگاہوں میں طلبہ کھچا کھچ اور گنجان بیٹھنے کے باوجود بعض بے چاروں کو درسگاہ کے دروازے پر جوتیوں کی جگہ میں یا کھڑکی سے قریب بیٹھ کر استاد کا درس سننا پڑتا ہے۔

نئے ہاسٹلوں کی تعمیر کی تکمیل اور ان کے استعمال کے باوجود چھوٹے بڑے مختلف درجات کے طلبہ کی کثیر تعداد کرائے کے مکانات اور شہر کے مساجد میں قیام پذیر ہے۔ درجہ تخصص فی الفقہ میں بھی داخلہ کے لئے مختلف اضلاع سے فضلاء کی درخواستیں موصول ہوئیں۔ مطلوبہ معیار کے مطابق انٹرویوز تعلیمی صلاحیت اور استعداد کو ملحوظ رکھ کر داخلہ دیا گیا۔

شعبہ دار الحفظ والتجوید میں بھی شائقین کا وہی ازدحام رہا تمام درخواست دہندگان کو نہ تو داخلہ دینا ممکن تھا اور نہ اس کے لئے کوئی گنجائش تھی۔ اسی وجہ سے دار الحفظ میں داخلہ کے قواعد اور ضوابط میں سختی، مزید کلاسوں کے اجراء اور نئے اساتذہ کے تقرر کے باوجود بھی اس درجہ میں سینکڑوں طلبہ کو محروم ہونا پڑا تاہم داخلہ کے لئے شرائط اور معیار کو ملحوظ رکھ کر پہلے درخواست پہلے داخلہ کی بنیاد پر درخواستوں پر کارروائی کی جاتی رہی۔

۱۲؍ شوال کو دار العلوم کے تعلیمی سال کا باقاعدہ افتتاح ہوا۔ دار الحدیث میں افتتاحی تقریب منعقد ہوئی۔ جس میں دار العلوم کے مشائخ، اساتذہ، معززین شہر، گرد و نواح کے متعلقین اور اضیاف کی ایک

بڑی تعداد شریک ہوئی۔

دارالعلوم کے مہتمم جانشین شیخ الحدیثؒ حضرت مولانا سمیع الحق مدظلہ ان دنوں شریعت بل کے سینٹ میں منظور ہو جانے کی وجہ سے اہم مسائل، مساعی اور اس سلسلہ کی مزید جدوجہد میں بے حد مشغول تھے افتتاحی تقریب سے ایک روز قبل انہوں نے شریعت بل کی عظمت، سیاسی اہمیت، قانونی جامعیت، قومی اسمبلی میں اس کے منظور کرانے کی تحریک و پیش رفت اور اس سلسلہ میں عالمی رائے عامہ کو ہمنوا بنانے کی ضرورت کے پیش نظر ارکان سینیٹ، قومی نمائندوں، غیر ملکی سفیروں، مختلف سیاسی اور دینی جماعتوں کے سربراہوں، سربراہان افواج، صدر پاکستان اور عالمی پریس کے نمائندوں کو اسلام آباد میں استقبالیہ دیا۔ اور شریعت بل کی منظوری کے اگلے مرحلے کے سلسلہ میں صدر پاکستان اور سیاسی رہنماؤں سمیت تمام مسلمانوں کو اس نازک اور حساس ترین مسئلہ اور اس سلسلہ کی ان دینی و مذہبی اور اخلاقی ذمہ داریوں سے آگاہ کیا۔ تاہم اس قدر مشاغل اور مصروفیات کے باوصف حضرت مولانا سمیع الحق مدظلہ بروقت دارالعلوم تشریف لے آئے۔ افتتاحی تقریب میں شرکت کی اور خطاب بھی فرمایا

سینیٹ میں شریعت بل کی منظوری کی وجہ سے پورے ملک کی طرح دارالعلوم میں بھی جشن مسرت کا سماں تھا پھر تعلیمی سال کی علمی و روحانی افتتاحی تقریب سے اس کی رونق مزید دوبالا ہوتی۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی محمد فرید مدظلہ نے جامع السنن للترمذی کا افتتاحی درس دیا۔ ترمذی شریف کا صحاح میں مقام، برصغیر میں جامع ترمذی کے درس سے تعلیمی سال کے آغاز کی وجہ، جامع کی خصوصیات اور میزات پر تفصیلی خطاب فرمایا۔

حضرت مولانا سمیع الحق مدظلہ نے قدیم اور جدید طلبہ کو دارالعلوم میں داخلہ لینے پر خوش آمدید کہا۔ اور فضیلت علم، تحصیل علم کے آداب، دینی مدارس کی اہمیت و کردار، طلبہ کے فرائض، باہمی تعلقات، ملک کی تازہ ترین صورت حال، شریعت بل کی سینیٹ میں منظوری کے بعد قومی اسمبلی میں اس کی منظوری کے لئے تمام مسلمانوں کے اتحاد و یک جہتی کے لئے دعا اور مساعی کی ضرورت پر مفصل خطاب فرمایا۔

بحمداللہ طلبہ دارالعلوم میں نصابی کتب کی تقسیم مکمل ہو چکی ہے ہر درجہ میں ہمیشہ سے طلبہ کے اضافے کے پیش نظر مزید درسی کتب خریدی گئیں۔ وفاق المدارس العربیہ کے منظور شدہ نصاب تعلیم کا مکمل اجراء اور تمام کلاسوں کی درجہ بندی کردی گئی ہے۔ البتہ منطق، فلسفہ، ریاضی اور دیگر علوم کی بعض وہ کتابیں جو وفاق کے نصاب تعلیم میں جگہ نہ پا سکیں اور درس نظامی میں پہلے سے مروج تھیں ان کو تکمیل کے نام سے مستقل درجہ دیا گیا۔ طلبہ کے لئے اس درجہ کے اختیاری ہونے کے باوجود اشتیاق علم کا یہ حال ہے کہ اس درجہ کے بھی تمام کتب میں طلبہ کی تعداد معیاری ہے۔ والحمدللہ علی ذالک۔

جناب پروفیسر عبد المغنی صاحب

اسلام اور دہشت پسندی

دہشت گردی اور انتشار مغربی تہذیب کا لازمی جزء اور مادیت پرستی کا قطعی ثمرہ ہے مگر بعض نام نہاد دانشور
جب مسلمان ملکوں میں ایسا ہوتے دیکھتے ہیں تو اسے اسلام کے سر تھوپتے ہیں پاکستان خصوصاً صوبہ سندھ
اس کی زد میں ہے اس سلسلہ میں اسلام کا نکتہ نظر کیا ہے جناب پروفیسر عبد المغنی صاحب اسکی توضیح کرتے ہیں (ادارہ)

آج کے ذرائع ابلاغ دہشت پسندی کا لفظ بکثرت استعمال کر رہے ہیں اور بعض سیاسی عناصر اس کا تعلق اسلام سے جوڑنے کی کوشش بھی کر رہے ہیں۔ حالاں کہ نہ تو عام طور پر دہشت پسندی کا مفہوم لوگوں کو معلوم ہے نہ یہ سمجھنا آسان ہے کہ اس کا کوئی تعلق اسلام سے بھی ہو سکتا ہے۔ دراصل اردو میں لفظ " دہشت پسندی" انگریزی لفظ TERRORISM کا ترجمہ ہے "ٹیرو" کا مطلب ہے بہت زیادہ خوف و خطر اور ہول ہیبت۔ اس مطلب کی ادائیگی کے لئے فارسی لفظ دہشت استعمال کیا گیا۔ اس طرح پورا مفہوم یہ ہوا کہ لوگوں میں خوف و ہراس پیدا کرنے کے مسلک کا نام دہشت پسندی ہے یعنی جو لوگ دوسروں کو قتل و غارت وغیرہ جیسے غیر قانونی، غیر اخلاقی اور غیر انسانی افعال سے ڈرا دھمکا کر اپنے ناپسندیدہ مقاصد حاصل کرنا چاہتے ہیں ان کی مذموم حرکت دہشت پسندی ہے یہ حرکت ایسے ناروا تشدد اور ایذا رسانی پر مشتمل ہے کہ انسانیت کا ضمیر اسے گوارا نہیں کر سکتا اور نہ مہذب دنیا اس ظلم و ستم کی اجازت دے سکتی ہے اس لئے کہ یہ انسانیت کو تہذیب و تمدن سے وحشت و بدویت کی طرف واپس لے جانا ہے یہ اس قسم کی درندگی و سفاکی کا مظاہرہ ہے جو ماضی بعید میں (BERBERISM) سے منسوب کی جاتی تھی یہی وجہ ہے کہ مغربی صحافت نے دہشت پسندی کو عہد وسطیٰ کی تاریکی کا نشان قرار دیا ہے۔ اب یہ دوسری بات ہے کہ تاریخ کا یہ تصور اسی طرح مغرب کے سیاسی مفاد کی پیداوار ہے جس طرح اسلام کی جانب دہشت پسندی کے حوالے کی کوشش مسلم دشمن عناصر کے فرقہ پرستانہ مقاصد کی ترجمان۔

فی الواقع اسلام کے ساتھ دہشت پسندی کے ربط کی بات مغربی صحافت میں خاص کر اس وقت سے بہت نمایاں طور پر کی جا رہی ہے جب تنظیم آزادی فلسطین (ORBANLSATI ON PALESTIAIAN LIBBR-ATIONO) کے بازوئے شمشیر زن کی حیثیت سے "الفتح" نے ریاست اسرائیل کے صیہونی دہشت پسندوں اور ان کے حامیوں کو بین الاقوامی سطح پر دندان شکن جواب دینا شروع کیا۔ اگرچہ ظالموں کے خلاف مظلوموں کی

اس سرگرمی میں ایسے عناصر پیش پیش تھے جن کا کوئی تنظیمی رابطہ تنظیم آزادی فلسطین P.L.O سے نہیں تھا اور
یہ عرب انتہا پسند اور اپنے طور پر اسرائیلیوں کی درندگی کے خلاف انتقامی کارروائی کر کے دنیا کی توجہ
اپنے تحریکی مقاصد کی طرف مبذول اور مظلوموں کے ساتھ انصاف کے لئے انسانیت کے ضمیر کو جھنجھوڑنا چاہتے
تھے۔ بہرحال بے قصور افراد کے خلاف کسی قسم کی نامعقول کارروائی ایک زیادتی ہے جس کا کوئی جواز کسی
بین الاقوامی یا قومی قانون میں نہیں ہو سکتا۔ مگر یہ زیادتی ایک بہت بڑی زیادتی کا ردعمل تھا جو ایک غاصب
حکومت اپنے مقبوضہ ملک کے حقیقی باشندوں پر سال ہا سال سے بدترین شکل میں کرتی چلی آ رہی تھی۔

حال فی الحال "شیطانی آیات" (THE SATANIC VERSES) کے مصنف سلمان کے خلاف
ایران کے خمینی صاحب کے فتوے قتل کے نتیجے میں جو پر تشدد واقعات بعض مقامات پر ہوئے ہیں انہیں بھی مغربی
پریس دہشت پسندی قرار دے کر اس کا رشتہ اسلام کے ساتھ جوڑ رہا ہے۔ اس سلسلے میں جدید دنیائے اسلام
کے اندر بنیاد پرستی (FUNDAMENTALISM) کے رجحان کا نظریاتی سوال بھی اٹھایا جا رہا ہے اس لئے
کہ ایران کے اسلامی کہلانے والے انقلاب کی شدت پسندانہ کارروائیوں کو اسلامی بنیاد پرستی پر مشتمل سمجھا
جا رہا ہے۔ بنیاد پرستی کی اصطلاح بھی دہشت پسندی کی طرح مغرب کی ایجاد کی ہوئی ہے اور اسلام پسندی
پر اس کو چسپاں کرنے کا عمل بھی امریکہ اور یورپ ہی سے شروع ہوا ہے۔

<u>دہشت پسندی کی تعریف</u> اقوام متحدہ نے اپنے اجلاس ۱۸ دسمبر ۱۹۷۲ء سے اجلاس مورخہ ۷ دسمبر ۱۹۸۷ء
تک ۱۵ سال دہشت پسندی کی تعریف و تشریح میں گزارے مگر آج تک "ہے یہ وہ لفظ کہ شرمندہ معنی نہ ہوا"
یہ معاملہ اصطلاحی دہشت پسندی اور اس کے سیاسی انطباق کا ہے۔ اول تو اس سلسلے میں انفرادی و اجتماعی
پھر عوامی و سرکاری دہشت پسندی کے درمیان امتیاز کی بات کی جاتی ہے۔ دوسرے مختلف ممالک و اقوام
اپنے اپنے متضاد اغراض کے تحت ایک دوسرے کے خلاف دہشت پسندی کا الزام رکھتے ہیں۔ شام کا بیان
ہے کہ مشرق وسطی میں دہشت پسندی کی ابتدا اسرائیل نے ۱۹۵۴ء میں شام کے ایک جہاز کو گرا کر کیا۔ لیبیا
کا موقف ہے کہ نسل پرست حکومتوں نے جنوبی افریقہ، نمیبیا اور فلسطین میں دہشت پسندی سے کام لیا ہے
پھر کیا عراق کے نیوکلیر ری ایکٹر پر اسرائیل کی بمباری اور لیبیا کے صدر قذافی کی رہائش گاہ کے ساتھ ساتھ تری پولی
میں شہری نشانوں پر امریکہ کی بمباری صریح دہشت پسندی نہیں ہے؟ یہی سوال نکاراگوا، پولینڈ اور مرکزی
افریقی جمہوریہ کے واقعات کے بارے میں بھی کیا جا سکتا ہے۔

مغربی یورپ کی یورپین اکنامک کمیونٹی (E.E.C) میں شامل ممالک اور کینیڈا سے لے کر جاپان،
ترکی، ارجنٹینا، اسرائیل اور امریکہ تک سبھی ملکوں کا خیال ہے کہ دہشت پسندی کی تعریف و تعیین پر اتفاق ممکن

نہیں۔ البانیہ نے دہشت پسندی کے اقتصادی سیاسی اور معاشرتی اسباب پر زور دیتے ہوئے ویت نام،
ایران، کمبوڈیا، لبنان اور نکاراگوا میں امریکی جارحیت، فلسطینیوں، لبنانیوں اور عربوں کے خلاف اسرائیلی
رویے، جنوبی افریقہ کے سیاہ فاموں اور نمیبیوں پر نسل پرست حکومت جنوبی افریقہ کے حملے اور افغانستان
پر روسی افواج کی تاخت و تاراج سب کو دہشت پسندی میں شامل کیا ہے۔ چنانچہ صرف دو ممالک کی مخالفت
اور ایک کی غیر حاضری کے ساتھ اقوام متحدہ نے "تمام دہشت پسندانہ افعال کی جن میں براہ راست یا
بالواسطہ ریاستیں بھی شامل ہیں" مذمت ۱۵۳ ممالک کے ووٹوں کی زبردست اکثریت سے کی۔

یہ حقائق واضح کرتے ہیں کہ دہشت پسندی کا الزام آج کی دنیا میں ایک سیاسی کھلونا بن گیا ہے اس لئے
کہ جن ممالک کو مذکورہ بالا بیان میں دہشت پسندی کے اندر ملوث بتایا گیا ہے۔ وہ خود دوسروں بالخصوص
اپنے حریفوں کو دہشت پسند قرار دیتے ہیں۔ مثال کے طور پر ۲۲ دسمبر ۱۹۸۷ء کو امریکہ نے اینٹی ٹیررسٹ ایکٹ
منظور کر کے پی۔ ایل۔ او کو دہشت پسند قرار دے دیا۔ پھر سال رواں کے شروع میں افریقی نیشنل کانگرس
کو بھی یہی خطاب دیا۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ویت نام میں امریکہ کی کارستانی، عالم عرب میں اسرائیل کی شرارت، افغانستان
میں روس کی درندگی اور ان سب سے پہلے الجزائر میں فرانس کی بربریت موجودہ صدی میں دہشت پسندی
کی وہ بدترین مثالیں ہیں جن میں دنیا کی طاقت ور حکومتیں بری طرح ملوث ہیں۔ ان کے مقابلے میں بعض افراد
یا گروہوں کی دہشت گردیاں خطرناک یا تباہی کے لحاظ سے کوئی حیثیت نہیں رکھتیں۔ ہندوستان کی
تحریک آزادی کے ایک مرحلے پر ۱۹۴۳ء میں جو ناگہانی تشدد برطانوی حکام یا ان کے ماتحتوں کے خلاف
ہوا کیا اسے اس معنی میں دہشت پسندی کہا جا سکتا ہے جس میں ۱۸۵۷ء کی ناکامی تحریک آزادی کے بعد
برطانوی سامراج نے حریت پسندوں پر ایک دور دہشت طاری کر دیا۔

آج پنجاب میں جو کچھ ہو رہا ہے خواہ سکھوں کے ایک حلقے کی طرف سے یا حکومت کی جانب سے اسے کیا کہیں؟
برٹرنڈ رسل نے ایک دلچسپ بات دہشت کے توازن (BALONCE OF TERROR) امریکہ
اور روس کی زبردست طاقتوں کی آویزش کے بارے میں کہی ہے۔ اس کا خیال ہے کہ سرمایہ اور اشترا کی
بلاکوں کے یہ سربراہ ایک دوسرے کے مقابلے میں مہلک ترین اسلحوں کے استعمال کی دھمکی ہی سے دہشت
کا وہ توازن پوری دنیا میں قائم کئے ہوئے ہیں۔ جو عصر حاضر میں ایک وقفۂ امن کا باعث ہے۔ یہ گویا جدید

تہذیب و تمدن پر طاری دہشت و بربریت کا کھلا اعتراف ہے جو آج کی ترقی یافتہ انسانیت کے لئے ایک نکتۂ عبرت ہے۔

تشدد اور دہشت پسندی تشدد تو یقیناً دہشت پسندی کا ایک جزو ترکیبی اور بنیادی عنصر ہے۔ لیکن انقلاب پسندوں اور جابر و مستبد اقتدار کے درمیان کش مکش میں بعض اوقات دونوں جانب سے جو خون ریزی ہوتی ہے۔ کیا وہ ہر حال میں دہشت پسندی ہے؟ مظلوم اگر ظالم کی طاقت کا مقابلہ طاقت سے کرتے ہیں یا فرماں رواکے جبر و ستم کی مزاحمت ہیں اور اس کے خلاف احتجاج و فریاد کرتے ہوئے محکوموں سے بھی کچھ زیادتیاں سرزد ہو جائیں تو قانونِ سلطنت اس سلسلے میں جو کارروائی بھی کرے ضروری نہیں کہ تاریخ بالآخر اس کی حمایت کرے زبردستی کو امن نہیں کہا جا سکتا۔ اور اس کے خلاف بغاوت کو بدامنی کہا جائے گا۔ صدیوں کی گردشِ ایام گواہ ہے کہ ماضی کے باغی مستقبل کے انقلابی تسلیم کئے گئے ہیں۔ اور انہوں نے بسا اوقات دنیا کے مختلف خطوں میں امن و امان اور عدل و انصاف قائم کر کے انسانیت کی خوشحالی و ترقی کا کچھ سامان کیا ہے ہر فرعون کے ایک موسیٰ کی مثل کا مفہوم یہی ہے۔ بڑے بڑے پیغمبروں، مصلحوں اور رہنماؤں کو اقتدارِ وقت نے باغی قرار دے کر ستایا ہے۔ پھر ان کے پیرووں اور حکومتوں کے درمیان ایسی لڑائیاں ہوئی ہیں جن کے نتیجے میں فتنہ و فساد مٹا ہے اور صلاح و فلاح کا دور دورہ ہے۔

لہٰذا اصولاً تشدد کوئی جرم نہیں ہے اور نہ عدم تشدد بجائے خود کوئی صحیح عقیدہ ہو سکتا ہے۔ ظلم پر بعض اوقات صبر و تحمل ایک بات ہے۔ جب کہ ظالموں کے لئے لقمۂ تر اور نرم چارہ بن جانا بالکل دوسری بات ایک چیز ہے جارحیت اور دوسری چیز ہے اس کا دفاع، کسی جنگ باز سے مصالحت سپر اندازی ہے جب کہ اس کا مقابلہ کرنا ہمت و شجاعت ہے۔ لہٰذا جو تشدد، فتنہ و فساد کا قلع قمع کرنے اور شر پسندوں کی سرکوبی کرنے کے لئے اختیار کیا جائے۔ وہ یقیناً نہ صرف روا بلکہ مطلوب ہے۔ حکومت کی انتظامیہ ملک اور سماج کے ناپسندیدہ عناصر کے خلاف جو سخت اقدامات کرتی ہے وہ اسی قسم کے جائز اور پسندیدہ تشدد پر مشتمل ہے۔ بیسویں صدی کی دو عظیم جنگوں میں فسطائیوں اور نازیوں کے خلاف جو فوج کشی ہوئی وہ ایسا ہی ایک تشدد تھا۔ لہٰذا دہشت پسندی محض تشدد نہیں بلکہ درحقیقت وہ بے قصور اور معصوم افراد پر ظلم و ستم اور ان کو ہراساں و پریشاں کرنے کا نام ہے۔ خواہ یہ درندگی و سفاکی افراد کی طرف سے ہو یا گروہوں جماعتوں اور حکومتوں کی جانب سے، تشدد کے خلاف دہشت پسندی کے لفظ میں سنگ دلی، بے رحمی اور

ستم شعاری کے مفاہیم مضمر ہیں اور یہی حقیقت اسے مذموم بناتی ہے کہا جا سکتا ہے کہ تشدد جب اپنی جائز حد سے بڑھ کر فساد کا باعث ہو جائے اور اس کا کوئی اصلاحی مقصد واضح نہ ہو تو یہ دہشت پسندی ہے ایسی چیرہ دستی جو دوسروں کی جان و مال و آبرو پر دست درازی کرے دہشت پسندی ہے جب کہ اپنی اور دوسروں کی جان و مال و آبرو کی حفاظت کے ہتھیار اٹھانا بالکل جائز تشدد ہے۔ ایک گال پر بلا وجہ تھپیڑ مارنے والے کے سامنے ہر حال میں دوسرا گال بھی پیش کر دینا صریح بزدلی اور شر پسندوں کی نہ صرف حوصلہ افزائی بلکہ ان کے سامنے تعاون ہے۔ عدم تشدد کا نیم فلسفیانہ اور نیم صوفیانہ تصور فقط، ایک ملمع کاری اور ظاہر داری ہے جس پر پورے طور سے عمل واقعہ میں نہ کبھی ہو سکا ہے اور نہ ہو سکے گا۔

ہندوستان کی تحریکِ آزادی میں برطانوی سامراج کے خلاف مقاومت مہمل اول تو اقتدار وقت کی طاقت کے مقابلے میں احساس شکست پر مبنی تھی دوسرے وہ بہر حال مقاومت تھی خواہ کتنی ہی مہمل ہو

ع عصا نہ ہو تو کلیمی ہے کار بے بنیاد

بنیاد پرستی اور دہشت پسندی | نامذہبی (NON SECULAR) کہلانے والے سیاست دان بالخصوص اقتدار اور صحافی عام طور پر خالص مذہب پسندی کو بنیاد پرستی قرار دے کر اس کا رشتہ دہشت پسندی کے ساتھ لگاتے ہیں۔ گویا وہ مذہبی شدت کو ایک ایسی انتہا پسندی تصور کرتے ہیں جو تشدد کی حد تک جاتی ہے اور اپنے پیروؤں کو دہشت گردی پر مائل کرتی ہے۔ یہ مذہب کا بہت ہی ناقص تصور ہے بلکہ مذہب کی حقیقت کے بارے میں اگر شدید غلط فہمی پر مبنی نہیں ہے تو صریح مذہب بےزاری ہی اس کا محرک ہے کہنا چاہئے کہ یہ دراصل مذہب کو بدنام کرنے کی ایک سازش ہے اور جو لوگ اس کے مرتکب ہیں ان کا خیال خام ہے کہ تاریخ میں سب سے زیادہ خون ریزی مذہب کے نام پر ہوئی ہے۔ حالاں کہ مذہب پر الزام تراشی کرنے والے اگر موجودہ صدی میں قوم پرستی اور ترقی پسند کے لئے ہونے والی ہولناک خوں ریزی پر غور کریں تو نسبتہً مذہب انہیں بہت معصوم نظر آئے گا۔ پہلی اور دوسری جنگ عظیم میں مذہب کہاں تھا؟ اشتراکی روس کی بھیانک تطہیرات میں مذہب کا کوئی حصہ ہے؟ ویت نام میں امریکہ کی بدمعاشی ہو یا افغانستان میں روس کی غنڈہ گردی یا فلسطین میں اسرائیل کی درندگی یا الجزائر میں فرانس کی سفاکی یا حبشہ میں اطالیہ کی بربریت، کسی کا بھی کسی مذہب سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ عیسائیت ہو یا یہودیت، خون ناحق کسی کی بھی شریعت میں بھی روا نہیں۔ پنجاب کی حالیہ

دہشت گردی کو بھی سکھ دھرم کی تعلیم قرار دینا صحیح نہیں ہوگا۔ ورنہ سکھ کے خلاف پنجاب کے باہر فساد کو
ہندو دھرم کی تعلیم ماننا پڑے گا۔ یہ نکتہ اب ہندوستان کے وزیر اعظم کی سمجھ میں بھی آگیا ہے
چنانچہ پارلیمنٹ میں پنجاب کے متعلق حکومت کی تازہ ترین پالیسی کا اعلان کرتے ہوئے انہوں نے ضروری سمجھا کہ
بنیاد پرستی کو دہشت گردی سے الگ کرکے دیکھیں۔

ایک گروہ اور چند افراد کو چھوڑ کر دہشت گردوں کا کوئی تعلق اب بنیاد پرستی یا مذہب کے ساتھ نہیں ہے۔

(انڈیا ٹوڈے نئی دہلی ۱۵ مارچ ۱۹۸۹ء)

بنیاد پرستی کا دوسرا انگریزی ترجمہ RADICALISM جس کا استعمال عام طور پر بنیادی و کلی FUNDAME NTALAND کے لئے ہوتا ہے یعنی ایک انقلاب پسندی

ہمہ گیر اور مکمل انقلاب کی آرزو جس کے مطابق کسی دور اور ماحول کی پوری زندگی کو یکسر بدل دینے کی کوشش کی جاتی ہے اور یہ اس وقت ہوتا ہے جب معاشرہ ہر طرح بگڑ اور سڑ کر سراسر بوسیدہ فرسودہ ہو جاتا ہے پھر جب ایک بار معلوم و معروف تاریخ میں ایسا آفاقی انقلاب رونما ہو جاتا ہے اور جس نظریہ و نظام نے اسے جنم دیا ہوتا ہے تو وہ اس کے ماننے والوں کے خوابوں اور حوالوں کا مرکز بن جاتا ہے اس کی حیثیت کائنات و حیات کے تمام معاملات میں معیار حق کی ہوتی ہے جو ایک کسوٹی کا کام کرتا ہے اور کھرے کھوٹے کی پرکھ اسی کی بنیاد پر ہوتی ہے۔ لہذا صداقت کا یہ محور عظمت انسانی کا سرچشمہ قرار پاتا ہے اور شعور و کردار کے سارے محاسن کا محرک و مقصود، یہ دنیا میں انسانیت کی منزل کا نشان ہوتا ہے اور ہر قسم کی نشان طلبی کا نشانہ، اس کی اہمیت حقیقی بھی ہوتی ہے علامتی بھی، یہ کسی ملت کے وجود کے بہترین اظہار کا نمونہ اولین AVCHETYDE ہوتا ہے اور ماہر نفسیات و عمرانیات تسلیم کرتے ہیں کہ اس کے نقوش ایک ملت کے حافظے پر ہمیشہ کے لئے ثبت ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ جب زمانہ بگڑتا ہے تو ملت اپنے فکری سرچشمہ وجود سے جتنی دور جا چکی ہوتی ہے اس کے قلب اجتماعی میں اس کی یاد اتنی ہی شدید ہوتی ہے اور اس کا ضمیر اسے دوبارہ پانے کے لئے انتہائی بے چین ہو جاتا ہے۔ یہ بے قراری نہ صرف عظمت رفتہ کی بازیابی کے لئے ہوتی ہے بلکہ اس بازیابی کے لائق بننے کے خاطر اپنے اندر ہر قسم کی تہ آلائشوں سے پوری صفائی ستھرائی کے لئے بھی اس لئے کہ پرانی شان و شوکت دوبارہ حاصل کرنے کے لئے تمام بدعات و تحریفات کی اصلاح ضروری سمجھی جاتی ہے۔ اسی ضرورت کا احساس ایک شاعر سے کہلواتا ہے:-

نقطہ نظر ہی روشن خیالی اور ترقی پسندی کا نشان بن جاتا ہے۔ یہ گویا بدعقیدگی پر خوش عقیدگی کی فتح ہے جس کی سب سے بڑی پہچان خلاص اور خالصیت ہے۔ مہرنی تمام سرگذشت کھوئے ہوؤوں کی جستجو ایسی حالت میں مذہب کا کٹر

اس صورت حال کو مغربی بالخصوص مسیحی و کلیسائی تاریخ کے نشیب و فراز پر قیاس کرنا غلط ہوگا اور آج بنیاد پرستی پر گفتگو میں یہی غلطی عالمی پریس کر رہا ہے فی الواقع FUNDAME NTALISM کی اصلاح SECULARISM ہی کی طرح یورپ کے تاریک عہد وسطی DARKMIDDERGES کے بعد نشاۃ ثانیہ اور اصلاح مذہبی کے زمانے سے متصل مغربی ممالک میں کلیسا و ریاست CHURCHAN— DSTATATE کی اس کش مکش کا شاخسانہ ہے جس کے نتیجے میں دین اور دنیا ایک دوسرے سے جدا ہو گئے اور اہل کلیسا کی بے راہ روی و زیادتی کے سبب لادین دانشوروں نے CATHOLICIAN کے مقابلہ RURITAUISM کی اصطلاحیں وضع کریں۔

انہیں مذہبی سیاق و سباق سے آگے بڑھ کر علم و ادب کا محاورہ بنا دیا۔ اس مقابلے میں وسیع المشربی و روشن خیالی اور خالصیت کو تاریک خیالی فرض کر لیا گیا۔ مشرقی یورپ کے کٹر بازنطینی کلیسا BYZANTISM کی بدکرداری کے خلاف GRTHOPOXCHUR مغربی یورپ کے وسیع المشرب رومی کلیسا CATHOLICRUMANCHARCH کی بداطواری سے بھی زیادہ سخت ردعمل اس سلسلے میں ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ کارل مارکس کی اشتراکیت نے جرمنی اور انگلستان نیز فرانس سے نکل کر روس میں فروغ پایا۔ کلیسا و ریاست کی کش مکش کے انجام پر اقبال کا یہ تبصرہ نہایت عبرت انگیز اور بصیرت افروز ہے

کلیسا کی بنیاد رہبانیت تھی — سماتی کہاں اس فقیری میں میری

خصومت تھی سلطانی و راہبی میں — کہ وہ سربلند ہے یہ سربزیری

سیاست نے مذہب سے پیچھا چھڑایا — چلی کچھ نہ پیر کلیسا کی پیری

ہوئی دین و دولت میں جس دم جدائی — ہوس کی امیری ہوس کی وزیری

دوئی ملک و دین کے لئے نامرادی — دوئی چشم تہذیب کی نابصیری

(دین و سیاست ۔ بال جبریل)

اس طرح مذہب کی سیاست سے خارج اور دین کو دنیا کے راستے میں مزاحم تصور کر کے ہی اہل مغرب نے

انتہائی کم عقلی اور کم ظرفی کا یہ ثبوت دیا کہ دنیا پرستی سے عاجز آ کر مذہب کی طرف مراجعت کے رجحان کو بنیاد پرستی کا خطاب دیا۔ جو اشتراکیوں کی ایجاد ہوئی۔ سیاسی گالی رجعت پسندی
کا دوسرا نام ہے اور یہ نام و خطاب دونوں ایک سازش ہے فقط دین و مروت کے خلاف۔

دہشت پسندی اور اسلام | دہشت پسندی اور اسلام بالکل ضدین ہیں اور یہ دونوں ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے۔ یہاں تک کہ اسلام کا نام لے کر کبھی اور کہیں کچھ مسلمان بھی دہشت گردی کو راہ دیں تو اسلام سے اس کا تعلق ہرگز نہیں ہوگا۔ بلکہ یہ دین اسلام سے ایک انحراف اور شریعت محمدیؐ میں ایک تحریف کا فعل بد ہوگا، جیسے دین و شریعت کے بدترین استحصال پر محمول کیا جائے گا۔ اسلام اذیت پسندی اور فساد انگیزی کا روادار نہیں یہی بات دوسرے ان مذاہب کے بارے میں کہی جا سکتی ہے۔ جن کی اصلیت وحی الٰہی پر مبنی ہے خواہ ان کے پیرووں نے اپنے انبیاء کی تعلیمات کو کتنا ہی مسخ کر لیا ہو حتیٰ کہ ان کے نفس پرست علمائے دین اپنے مذہب کا استعمال کتنے ہی غلط مقاصد کے لئے کر رہے ہوں۔ اس لئے کہ دین رب العالمین کا مقرر کیا ہوا وہ نظریہ حیات اور نظام زندگی ہے جو بلا امتیاز پوری انسانیت کی صلاح و فلاح کے لئے ہے۔ دین خدا کا بنایا ہوا قانون قدرت ہے اور وہ فطرت کے مطابق ہے۔ فطرت اپنی حقیقت کے لحاظ سے دہشت پسند نہیں ورنہ روئے زمین کو انسان کے لئے ہموار نہیں کیا جاتا۔ نہ آسمان شاعروں کے تخیل کے برخلاف مہربان ہوتا دنیا کی آب و ہوا آدمی کو اسی لئے راس آئی ہے کہ وہ خاص اسی کے لئے بنائی گئی ہے۔

ہیں تیرے تصرف میں یہ بادل یہ گھٹائیں
یہ گنبد افلاک یہ خاموش فضائیں
یہ کوہ یہ صحرا یہ سمندر یہ ہوائیں

(اقبال روح ارضی آدم کا استقبال کرتی ہے۔ بال جبریل)

دنیائے انسانیت کی اس حقیقت کا امین سب سے بڑھ کر وہ اسلام ہی ہے جس کی شناخت تاریخ میں پچھلے ڈیڑھ ہزار سال سے شریعت محمدیؐ کے ذریعے کی جا رہی ہے اس لئے کہ دین کا آفاقی تصور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد ان کی شریعت ہی میں مرکوز ہو گیا ہے۔ یہ شریعت دین اسلام کی پچھلی تمام شریعتوں کی جامع ہے اور رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی تعلیمات پچھلے انبیاء کی تعلیمات کی تصدیق و ترکیب کرتی ہے۔ لہٰذا وحی الٰہی کے آخری صحیفے کی حیثیت سے سنت رسول اللہ (حدیث) اس قانون قدرت اور نظام

فطرت کے احکام وہدایت اور ان کی تشریح وتعمیل کی دستاویزیں ہیں جو خداوند عالم نے زمین پر انسان کی پرامن اور صالح زندگی کے لئے تجویز اور مرتب کیا ہے۔ چنانچہ اسلامی ضابطہ حیات خیر و فلاح کی واحد ضمانت ہے اور شر و فساد کے خلاف سب سے مؤثر وسیلہ تحفظ۔

اسلام کی تعریف

اسلام ایک عربی لفظ ہے جس کا مادہ س ل م ہے اور عربی قواعد کے مطابق مختلف ابواب مثلاً افعال اور تفعیل کے تحت اس مادے سے مشتق الفاظ اسلام و تسلیم ہیں۔ جب کہ مادے کے حروف پر مشتمل ایک لفظ "سلم" کا لفظی ترجمہ امن ہے۔ پھر سلام اور سلامت کے الفاظ ہماری زبان ن سلامتی کے معنی میں مشتمل اور مروج ہیں۔ خود لفظ اسلام کا مطلب آپ کو اللہ تعالیٰ کے حوالے کرنا۔ ن کے آگے سر جھکانا۔ اس کی اطاعت، فرماں برداری اور بندگی ہے۔ یعنی اسلامی نقطہ نظر سے دنیا میں سان کی زندگی خدا کی بندگی کے لئے ہے اور یہ زندگی رب امن عالم کی ضامن ہے۔ مسلم معاشرت ن "السلام علیکم" (تم پر سلامتی ہو) کا رواج ایک اسلامی شعار پہ مبنی ہے اور اس میں ہر شخص کے ے خیر و برکت کا پیام ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ اسلام دنیا میں جو معاشرہ قائم کرنا چاہتا ہے، وہ اسر رحمت ہے اور اس کے افراد کے درمیان باہمی خیرخواہی اس کا امتیازی نشان ہے۔

اسلام کی اسی خصوصیت کی علامت "بسم اللہ الرحمن الرحیم" کا وہ مشہور فقرہ ہے جس سے مسلم شرے اور اس کے افراد کا کام شروع ہوتا ہے۔ اور جو قرآن مجید کی تمام سورتوں کا نقطہ آغاز ہے فقرے میں اللہ تعالیٰ کی جو دو صفات بیان کی گئی ہیں وہ دونوں رحمت میں مبالغہ کے صیغوں پر مشتمل ۔۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ رحم و کرم جس طرح خدا کی بنیادی صفت ہے اسی طرح اس کے بندوں کا امتیازی وصف ہے اور وہ اپنی زندگی میں رحم خداوندی طلب کرتے ہیں اور ان کا ہر فعل خدا کی کتہی سے منسوب ہوتا ہے۔ رحم و کرم کے اس جذبے سے بڑھ کر امن و امان کی کیا ضمانت دنیا ہو سکتی ہے؟

دہشت پسندی اسلام کی نظر میں

دین اسلام کے عقائد و اخلاق کے مذکورہ بالا جائزے سے ہے کہ اسلام دہشت پسندی اور دہشت گردی کا روادار نہیں۔ فی الواقع اسلامی نظریہ زندگی ن کو ان تمام حیوانی میلانات، نفسیاتی الجھنوں اور معاشی کشمکش سے نجات دلاتا ہے۔

دہشت گردی ایک وحشیانہ فعل ہے اور اسلام کے تہذیبی نظام میں اس کی کوئی گنجائش نہیں

اسلام انسان کو صرف خدا کا خوف دلاتا ہے ۔ لہٰذا وہ کسی انسان کو اس کی اجازت نہیں دے سکتا کہ وہ لوگوں کو اپنا خوف دلائے اور انہیں خوف زدہ کرکے اپنے اغراض و مفادات حاصل کرے ۔ معاشرے میں کشیدگی اور کشاکش اسلام کو گوارا نہیں ۔ وہ ہر قسم کی کشمکش اور چپقلش ختم کرکے ایک پرامن ماحول میں افراد کے درمیان الفت واخوت اور فلاحی کاموں میں اشتراک و تعاون کے مواقع پیدا کرنا چاہتا ہے تاکہ بندگان خدا یکسوئی کے ساتھ اپنی اور کائنات کی تخلیق کے مقاصد کی تکمیل میں بے روک ٹوک مشغول ہوں ۔

اسلامی جہاد کی شان یہ ہے کہ ظالم اقتدار کے سامنے کلمۂ حق بلند کرنا اس کی بہترین خصوصیت ہے ۔ اور ظالم کو اس کے ظلم سے روکنے کی کوشش ایمان کی علامت ہے اس لئے کہ لوگوں کو برائی سے منع اور اچھائی کی تلقین کرنا امت مسلمہ کا امتیازی کردار اور منصبی فریضہ ہے ۔ یہ جہاد شر کے خلاف خیر کی محاذ آرائی اور باطل کے ساتھ حق کی پنجہ کشی ہے ۔ جس میں طاقت کا استعمال تخریبی سرگرمی کے لئے نہیں صرف تعمیری مقاصد کے لئے ہوگا ۔ یہ حق پسندی اور حق کوشی ، دہشت پسندی اور دہشت گردی کے لئے پیام فناہ ہے خواہ اس کا ارتکاب کوئی فرد کرے ، کوئی جماعت کرے یا کوئی حکومت

بقیہ معوذتین

رابعاً ۔ یہ خطرہ لگا ہوتا ہے کہ اسلام اور اہل اسلام کی ترقی کو برداشت نہ کرنے والا کھلم کھلا حملے شروع کرے ۔ جیسا کہ روس نے افغان مجاہدین کے ساتھ ظلم وستم شروع کر رکھا ہے ۔ اس کو حاسد اذا حسد میں اشارہ کیا گیا ہے ۔

خامساً ۔ یہ خطرہ لگا ہوتا ہے کہ انسان غیبی دشمن شیطان کے دام میں نہ پھنسے ۔ اس کو الوسواس الخناس میں اشارہ کیا گیا ہے ۔

اللہ تعالیٰ نے اس شر کے متعلق تین مستعاذ منہ ذکر کئے ہیں اور اول اللہ کر میں چار مستعاذ منہ کے لئے ایک مستعاذ ذکر کیا ہے ۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو انسی شیطان پر ختم کیا ۔ یہ ایسا شیطان ہے کہ تعوذ سے نہیں بھاگتا اور کار گناہ کا اغراء بہت زود اثر ہوتا ہے ۔

معاشرہ اور قوم وملت کی تباہی میں انسی شیطان کا مؤثر کردار ہے ۔ اللہ تعالیٰ سب کو شیاطین کے اور فتنوں سے محفوظ رکھے ۔ آمین

جناب سرور میواتی۔ لاہور

ریاضِ شریعت میں آئی بہار

کیا اپنے سینیٹ نے بالاتفاق — نفاذِ شریعت کا منظور بل
ہوا جس سے مومن کا دِل باغ باغ — ہوا جس سے شیطان خوار و خجل
ہوا جس سے دِل قوم کا شاد ماں — ہوا جس سے زخمِ جگر مُندمِل
ریاضِ شریعت میں آئی بہار — گئے شیطنت کے در و بام ہِل
نہالِ تمنّا ہوا بار ور — نہ تھی گرچہ آب و ہوا مُعتدِل
ہوئی صبحِ اُمّید آخر طلوع — مرادِ دلی کے گئے پھول کھِل
سُنا ہے کہ ایوانِ قومی میں اب — پذیرش کی خاطر یہ جائے گا بل
وہاں دیکھئے پیش آتا ہے کیا؟ — فضا کچھ نہیں ہے وہاں معتدِل
نچھاور کرے گا کوئی اِس پہ پھُول — کوئی راہ میں اِس کی ہو گا مُخِل
کوئی اِس کے بارے میں بولے گا گُڈ — کوئی اس کے بارے میں بولے گا نِل
کسی کا قدم ڈگمگا جائے گا — رہے گا کوئی ثابت و مستقل
مگر ایسے حالات کے باوجود — وہاں بھی ہیں موجود کچھ شیر دِل
کریں گے جو حالات کا سامنا — نہ ہوں گے جو جذبات سے مشتعِل
نکالیں گے تدبیر و حکمت سے کام — کرالیں گے پاس آخرِ کار بل
خوشا عزم مردِ اکوڑہ خٹک[1] — زہے تیری یہ کوشش مستقل
خوشا ہمّت صفیرانِ قاضی لطیف[2] — جنہوں نے کرایا یہ منظور بل

ہر عقدہ سلجھتا ہے سرورؔ ضرور
بشرطیکہ انسان ہارے نہ دِل

---

[1] جناب مولانا سمیع الحق سینیٹر (اکوڑہ خٹک پشاور) [2] جناب مولانا قاضی عبداللطیف سینیٹر (کلاچی ڈیرہ اسمٰعیل خان)

مولانا عبدالقیوم حقانی

تبصرہ کتب

تحریک ہجرت | مرتب ۔ شاہد حسین خان ۔ ناشر ۔ ادارہ تحقیقات افکار و تحریکات ملی ۔ صفحات ۴۲+۴۴ ۱۴۲
قیمت ۴۵ روپے ۔ ملنے کا پتہ :۔ مکتبہ شاہد علی گڑھ کالونی ۔ کراچی ۷۵۸۰۰

یہ کتاب ۱۹۲۰ء میں ہندوستان سے افغانستان کو ہجرت کی پس منظر، مقاصد، تفصیل اور واقعات کی تاریخ ہے اور اس میں اس تحریک کے متعلق متعدد اہم تاریخی دستاویزات شامل ہیں۔

"تاریخ ہجرت کے پس منظر اور مقاصد و واقعات کی تاریخ و تفصیل میں بنیادی مقالہ ڈاکٹر معین الدین عقیل کا ہے اس پر "تحریک ہجرت ۔ چند خیالات" کے عنوان سے ایک مفصل تحریر ڈاکٹر ابو سلمان شاہجہان پوری کے قلم سے ہے یہ مقالہ اور تحریر یہی دراصل اس کتاب کا بنیادی مواد ہے اور جو چیزیں اس میں بطور دستاویزات شامل کی گئی ہیں ۔ ان کی تفصیل یہ ہے :۔

۱۔ رسالہ ہجرت ۔ از مولانا عبدالباری فرنگی محل ۔ ۲۔ اعلان (رسالہ) از مولانا ابوالکلام آزاد
۳۔ مسئلہ ہجرت (چند خطوط) از شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ ۔ مولانا منیر الزمان اسلام آبادی
مولانا محمد انیس ۔ مولانا محمد حنیف ندوی وغیرہ ۔ ۴۔ تحریک ہجرت اور زمیندار لاہور ۔ تحریک ہجرت کے
بارے میں روزنامہ زمیندار لاہور میں شائع شدہ مضامین کا اشاریہ ۔

یوں تو اس کتاب کے تمام مشمولات کا مطالعہ نہایت مفید اور تاریخی و ملی فکر کو جلا دیتا ہے ۔ لیکن ڈاکٹر ابوسلمان کا مضمون نہایت فکر انگیز اور معلومات افزا ہے انہوں نے پہلی بار تحریک خلافت اور تحریک ہجرت میں شیعہ اور باطنی تحریک کے مقاصد کے مطابق ان کی شمولیت، اس کے مضمرات اور تحریک کو سبوتاژ کرنے کی کوششوں کی نشان دہی کی ہے اور اس سلسلے میں انہوں نے آغا خان، جسٹس امیر علی اور محمد علی جناح کو ان کے عقائد کے عین مطابق کیر یکٹر پر خراج تحسین پیش ہے ۔ اور بتایا ہے کہ تحریک خلافت ، ترک موالات اور تحریک ہجرت میں ان بزرگوں کا واقعی مقام کیا ہے ۔ اور اس سلسلے میں انہوں نے کسی لومۃ لائم کی پروا کئے بغیر صاف صاف اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے ہمیں یہ اعتراف کرنا چاہیئے کہ ملی تحریکات میں شیعہ حضرات کی نشاندہی میں یہ پہلی تحریر ہے جو ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہانپوری کے بیباک قلم سے نکلی ہے ۔

یہ کتاب علمی تاریخ کا ذوق رکھنے والے ہر شخص کو پڑھنی چاہیئے ۔ ہر مسلمان اور تمام مکاتب فکر کے اہل علم کو مطالعہ کرنی چاہیئے ہر کتب خانے میں اس کا محفوظ ہونا چاہیئے اور اس کی اشاعت میں زیادہ سے زیادہ حصہ لے کر ایک اہم ملی تاریخی فرض ادا کرنا چاہیئے ۔ کتاب سفید پاکستانی کاغذ پر چھپی ہے ۔ کتابت اور طباعت اچھی ہے اور مجلد و رنگین گردپوش سے مزین ہے :